نواب کلب علی خاں بہادر

نواب کلب علی خاں والی رام پور (۲۹۔ اپریل ۱۸۳۵۔ ۲۲ مارچ ۱۸۸۷)۲۱۔اپریل ۱۸۶۵ءکومسند نشین ہوئے ۔صاحب علم وفضل تھے۔ان کے عہد میں رام پور مختلف علوم وفنون کے ماہروں کا مرکز بن گیا تھا۔دوران حکومت میں حج کیا۔حرمین شریفین میں خاص رقمیں رفاہی کاموں کے لیے خرچ کیں ۔جامع شاہجہانی دہلی کی مرمت کے لیے گراں قدر رقم پیش کی۔ شعر بھی کہتے تھے۔نواب تخلص تھا۔بعد وفات خلد آشیاں کہلائے۔

(۱)

حضرت دلی نعمت، آیہ رحمت، سلامت

بعد تسلیم معروض ہے۔ورود توقیع ونوید عفو نے رواں پر کی ۔سو روپے بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۶ء از روے ہنڈوی ملفوفہ معرض وصول میں آئے ۔یا امیر المسلمین حضرت کا عزم رونق افزائی اکب آباد سن کر چاہا کہ وہاں آؤں اپریل کی سواری کی تاب ہرگز پائی ،منزل بہ منزل جانے میں سوچا کہ آگرہ سات منزل رام پور چھ منزل ، یہاں جو جاؤں ۔وہیں کیوں نہ جاؤں ۔عزم مصمم کیا کہ اپنے فرزند اور آپ کے غلام کو بھیجوں۲۔وہ بھی خوش خوش آمادہ رہروی ہوا۔نا گاہ تپ محرقہ نے گھیرا۔شانے کا ورد علاوہ ۔مہینا بھر ہوا نہ تپ اترتی ہے۔نہ شانے کا دور جاتا ہے۔حکیم احسن اللہ خاں کی تجویز سے فصد بھی کھلی مگر کچھ فائدہ، نہ ہوا۔کسی شب کو سور ہتا ہے۔ورنہ

ساری رات جاگنا اور ہائے ہائے کرتا ہے۔ اس کے ساتھ سب جاگتے ہیں۔

راحت نیست درآں خانہ کہ بیمارے ہست

مجمل یہ ہے اور مفصل میر محمد زکی سے عرض کریں گے۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضہ دوشنبہ پنجم نومبر ۱۸۶۶ء

عریضہ اسد اللہ بے دستگاہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

حضرت ولی نعمت، آیہ رحمت، سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کہ کل حضرت کے اقبال سے ایک مسرت تازہ مجھ کو پہنچی۔ تفصیل اس کی یہ اقبال نشان میرزا شہاب الدین خاں انگریزی خواں ہے، اخبار انگریزی دیکھا کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ جناب نواب صاحب قبلہ، جو شریک اجلاس کونسل ہوئے۔ نواب گورنر جنرل بہادر مع اور کونسل نشینوں کے نواب صاحب کے حسن صورت وفرط خلق و لطف تقریر سے بہت راضی وخوشنود ہوئے اور ان کی راے سب کو پسند آئی

ایں مراتب کہ دیدہ ای جزوے است
کار کلی ہنوز در قدر است

روز افزونی دولت واقبال کے مدارج ابھی بہت سنوں گا اور دیکھوں گا ان شاء اللہ العظیم

۲۶۔ جنوری ۱۸۶۷ء دوام دولت کا طالب

غالب

---

۱ نواب کلب علی خاں نے گورنر جنرل کے دربار جانے کا قصد کیا تھا جو نومبر ۱۸۶۶ء میں بمقام آگرہ منعقد ہوا تھا۔ ۲ ظاہر حسین علی خاں ابن عارف جسے غالب نے بیٹا بنا لیا تھا۔ ۳ ان سے مراد غالبا سید محمد زکریا خاں زکی ہیں جو غالب کے شاگرد تھے (۱۸۳۹۔۱۹۰۳ء) امیر تھے۔ مگر سب کچھ تباہ ہو گیا تو محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس بن گئے۔ ختم ملازمت کے بعد بدایوں میں مقیم ہو گئے۔ وفات دہلی میں پائی تلامذہ غالب۔

(۳)

حضرت ولی نعمت، ابر رحمت، سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیر المسلمین نے مفتی صدر الدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپے مفتی کی تجہیز و تکفین کے واسطے رام پور سے بھیجے ہیں۔ فقیر کو بھی توقع ٹھیری کہ میرا مرو بے گور کفن نہ رہے گا۔ جیسا کہ جلال اسیر کہتا ہے:

جرعہ لطف تو بعد ازما بما خواہد رسید

میں نے کل ایک خط نواب مرزا خاں[1] کو لکھا ہے۔ خدا جانے وہ حضرت کی نظر سے گزرے یا نہ گزرے، اس خط میں، میں نے زوجہ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لا ولد ہے اور ساٹھ روپے کرایے کے مکان اس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمٰن اس کا بھائی ہے۔ مفتی جی کا کوئی نہیں۔[2]

---

[1] نواب مرزا داغ جو اس زمانے میں رام پور میں ملازم تھے۔ [2] یہ خط پہلے پہل، آجکل دہلی کے غالب نمبر بابت ماہ فروری ۱۸۵۲ء میں چھپا۔ عجیب بات ہے کہ غالب کی اس تحریر کو مفتی صدر الدین آزردہ کی بیوہ کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے پر حمل کیا گیا۔ اس لیے فرمایا گیا کہ غالب کی سیرت کا یہ پہلو قابل اعتراض ہی نہیں عبرت انگیز بھی ہے۔

رکاوٹ پیدا کرنے کا کون سا موقع تھا جب کہ پانسو روپے مفتی صاحب کی بیوہ کو بھیجے جا چکے تھے؟ جیسا کہ خود زیر غور خط سے راضی ہوتا ہے۔ غالب کی تحریر کا مدعا

صرف یہ ہے کہ جب رامپور کی سرکار سے اس محترمہ کی امداد کے لیے پانسو روپے بھیج دیے گئے۔ جو ساٹھ روپے ماہانہ کرایے کے مکانوں کی مالکہ ہے تو میرے لیے اور میرے متعلقین کے لیے انتظام بدرجہ اولی مناسب ہوگا۔ جبکہ ان کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ معاش موجود نہیں۔ مفتی صاحب کی بیوہ کی مثال اس غرض سے پیش نہیں کی گئی۔ کہ اس کے وظیفے یا امداد میں رکاوٹ پیدا ہو۔ اس غرض سے پیش کی گئی کہ اس محترمہ سے زیادہ بے یارومددگار لوگ زیادہ ترحم کے مستحق ہیں۔ غالب یقیناً معصوم نہ تھا اور اس کی بشریت سے بھی کسی کو انکار یا اختلاف کی ضرورت نہیں لیکن، بشریت کا مطلب ہرگز نہیں کہ میرزا کو خواہ مخواہ اخلاقی کمزوریوں کا مورد ٹھہرایا جائے یا اس کی کسی عام تحریر میں قباحت کے پہلو پیدا کیے جائیں اگرچہ ان کے لیے کوئی بنا موجود نہ ہو۔

نواب کلب علی خاں مرحوم نے مفتی صاحب کی بیوہ کے لیے دوسو روپے ماہوار مقرر کر دیے۔ یقیناً مفتی صدرالدین مرحوم کی بیوہ ہر اعزاز و کرام کی مستحق تھی۔ مفتی صاحب کے علم و فضل کے اعتبار سے بھی اور ۱۸۵۷ء میں خوفناک کو مصائب کا شکار ہو جانے کے اعتبار سے بھی لیکن باقی صفحہ ۷۷ پر

اب میں اپنی حقیقت عرض کرتا ہوں۔ آخر عمر میں تین التماسیں ہیں آپ سے ایک تو یہ کہ ہزار بارہ سو روپے کا قرض رکھتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے۔ دوسری التماس یہ کہ حسین علی خاں کی شادی آپ کی بخشش خاص سے ہو جائے اور (تیسری التماس یہ کہ) یہ سو روپے مہینا جو مجھے ملتا ہے، اس کے نام پر اس کے حین حیات قرار پائے۔ یہ دونوں خواہشیں (یعنی دو آخری) خواہ میری

زندگی میں، خواہ میرے بعد اجرا پائیں:

تم سلامت رہو قیامت تک

دولت و عز و جاہ روز افزوں

روز شنبہ ۵۔ ربیع الثانی (۱۲۱۷ھ) عرضداشت دولت خواہ

۲۷، جولائی ۱۸۶۸ء اسد اللہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

تین التماس سابق (میں) پیش ہوئیں۔ سو اب پہلے برخوردار نواب مرزا خاں
ا کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر کے خط سے ان خواہشوں کے
منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ ان شاءاللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸
ء میں آمد زمستاں یعنی نومبر دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جائے گا۔ اور حسین علی
خاں کی شادی بھی ہو جائے گی اور اس کے واسطے اس کی زندگی تک تنخواہ جداگانہ
بھی مقرر ہو جائے گی۔

معروضہ ۱۳۔ اگست ۱۸۶۸

شہزادہ بشیر الدین میسوری

ٹیپو سلطان شہید کے پوتے اور شہزادہ شکر اللہ کے فرزند، توفیق تخلص، عربی اور فارسی کے عالم تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۶) میرزا غالب کی بیوہ یکسر بے اعتنائی کا ہدف بنی۔ اگر چہ اس کے مالی وسائل بدرجہ صفر تھے۔ میرزا کے وظیفے کا جزو بھی بیوہ کو مل جاتا تو اس کی زندگی کے باقی دن، جو ایک سال سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ اطمینان سے گزر جائے۔ ممکن ہے نواب کلب علی خاں مرحوم کو حقیقی حالات کا علم نہ ہوا ہو، میرزا کے عریضے کا اصل مقصد تو اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ قریب پہنچ کر اس سرکار کو حقیقی حالات سے بے کم و کیف آگاہ کر دیا جائے جو برسوں سے ان کی روزی کا ظاہری وسیلہ بنی ہوئی تھی اور جس مثال کے بیان کی غرض و غایت یہ تھی کہ جو فرمانروا تھوڑے بہت وسائل رکھنے والے پر نوازش فرما رہا ہے وہ یک قلم بے وسیلہ خاتون پر بھی توجہ فرمائے۔ اس سے بالکل الٹا نتیجہ نکال لیا گیا۔ اس صورت حال کو منصفانہ موازنہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟

نواب کلب علی خاں، مفتی صاحب کی بیوہ کے لیے دو سو روپے ماہوار مقرر دیے یقیناً مفتی صدر الدین مرحوم کی بیوہ ہر اعزاز و کرام کی حقدار تھی لیکن غالب کی بیوہ کے لیے کچھ مقرر نہ ہوا۔ جب علی خاں کو بعد میں ملازمت دیدی گئی جسے چھوڑ کر وہ دہلی میں مقیم ہو گیا تھا۔ داغ دہلوی جو اس زمانے میں ملازم سرکار رام پور تھے۔ ۲

۱۸۶۸ء

مولوی عبدالرحیم گورکھ پوری، جومعقول پسندی میں غالباحد اعتدال سے تجاوز کے باعث دہری مشہور تھے۔شہزادہ بشیر الدین ہی کے استاد تھے۔سید احمد شہید بریلوی کے سفر حج میں مولوی عبدالرحیم اور ایک میسوری شہزادے سے بھی کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ غالباوہ شہزادہ بشیر الدین ہی تھے۔ نگارستان سخن، میں ہے شہزادہ علم وفضل کے علاوہ اخلاق حمیدہ اورصفات برگزیدہ سے بھی مزین تھااور دقیقہ سنجی وموزونی طبع میں بھی فخر خاندان تھا۔ نگارستان سخن ص ۱۹ ان کے چند شعر بھی نقل کیے ہیں جس سے شہزادے کی طبیعت اوراسلوب فکر کااندازہ ہوسکتا ہے:

دل آزدہ داری ازیں خوشتر چہ مے خواہی
درون سادہ داری ازیں خوشتر چہ مے خواہی
تو اے عاشق ز اشک سرخ در پیانہ چشمت
مصفا بادہ داری ازیں خوشر چہ مے خواہی

نہ دیدہ است کس از شاخ خشک میوہ تر
بجز قلم کہ دہد میوہ تر و شیریں

''پنج آہنگ، میں بھی شہزادے کے نام ایک خط ہے۔وفات ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۵ء

پیر و مرشد، سلامت،

اعضا فرسودہ اور ربودے ہو گئے۔ روح ان میں دوڑتی نہیں پھرتی۔ مگر ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس مکمن[1] میں ہے۔ قویٰ نکمے ہو گئے۔ اب وہ کام جو ان سے متعلق تھے۔ بند ہو گئے، آپ کا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجالانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سرانجام پاتے جائیں گے۔

"حاکم بدہن، واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو "حاکم بہ دہن کہ لیتے ہیں:

اے اہل شہر مدفن ایں دو دماں کجا ست ؟
"خاکم بہ فرق ، خواب گہ خسرواں کجا ست ؟

---

[1] بروزن مقتل یعنی پوشیدہ ہونے کا مقام۔۔۔۔ [2] فرخندہ شاہ بن بہادر شاہ ظفر

استاد[2]!

"خاکم بسر" کہ عاشق کار آزمودہ ام
دانم کہ با رقیب بخلوت چہا رود

آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں، خاکم بدہن کا متوقع نہیں، جیسا کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا۔ حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں:

فرق است درمیانہ کہ بسیار نازک است

نجات کا طالب، غالب

(۲)

پیرومرشد برحق سلامت،

تقصیر معاف، میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور حاکم بھی، وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقہ ارادت سے خارج کر دیا۔ عرائض جواب طلب کا جواب نہیں۔ ایک عنایت نامہ سابق ہیں:

آب ز لہل میرود برپر چنگ

یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا۔ میں اسکو پڑھ بھی نہ سکا۔ معنی تو علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا اور جملے کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا۔ اب تک جواب نہیں پہنچا۔ جی گھبرا رہا ہے۔ جب تک اس کا جواب نہ پاؤنگا۔ آرام نہ آئے گا۔

برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب الدین خاں بہادر[۲] کی زبانی آپ کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت سنی، مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی ہوتی ہے۔ وہ کہاں! حضرت اب تو خالصا اللہ والرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملے کے معانی لکھ بھیجے، زیادہ حد آداب،

عفو جرم کا طالب، غالب

(۳)

بندہ پرور،

مہربانی نامہ آیا۔سر پر رکھا اور آنکھوں پر لگایا۔فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان ،لیکن نہ اشعار قتیل و واقف وشعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں ۔نہ ترکیب فارسی ، نہ معانی نازک ،ہاں الفاظ فرسودہ و عامیانہ جو اطفال دبستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں ۔وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں صرف کرتے ہیں ۔جب رودکی وعنصری وخاقانی ورشیدوطواط اور ان کے امثال ونظائر کا کلام باستیفا دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور

۱؎ یہ شعر مصطفیٰ خاں شیفتہ کا ہے ۔۲؎ ثاقب ابن نواب ضیاء الدین احمد خاں

ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے ۔تب آدمی جانتا ہے کہ یہ فارسی ہے۔

منکہ باشم!! الخ

اس کی شرح جو چھاپے میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجئے اور معانی میرے خاطر نشان کیجئے تو میں سلام کروں ۔

پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ اوج ،بیاں انداختہ کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے؟ اگر عقل کل کو انداختہ کا مفعول ،اور منکہ کے کاف کو کدامیہ ٹھہراؤ گے ۔تو بے شبہ انداختہ کے فاعل وہ ٹھہریں گے : ایک ، نادک انداز ادب ، اور ایک مرغ

اوصاف تو ایک فعل اور دو فاعل۔ یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے؟

اب فقیر سے اس کے معنی سنیے۔ من انداختہ کا مفعول را مقدر، منکہ کا کاف توصیفی ناوک انداز ادب آموز یعنی استاد، مرغ توصیف تو، فاعل مجھ کو، کہ عقل کا استاد ہوں، تیرے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ عقل کل تک وہ علویوں میں اعلیٰ ہے۔ اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا۔ مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے جہاں اس ناوک انداز کو ناوک کے پہنچانے کی گنجائش نہیں، اوج بیان سے گرنا عاجز آ جانا ہے۔ قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز باوجود عوائے قدرت! ۱۲!

ایثار تو بر وختہ ہے چشم و دہن آز

اس کے معنی تو وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا۔

احسان، تو ہر قطرہ دریا شگافت، تاہم بقیہ حساب نیامد، یہ ہیچدان اس معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے۔ مگر خیال جب آئے گی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا میں مرداریدو یاقوت و بحر و معدن کی کمبختی آتی ہے۔ لعل و دُر کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا۔ نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانے میں اس زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں:

ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی

جز پروگیان حرم معدن ویم را
وقت است کہ ایں قوم بہ ہر کوچہ و بازار
پرسند زہم منشا رسوائی ہم را

''پروگیان حرم معدن ویم، لعل و گوہر، جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں۔ وہ باہمہ گر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں۔ ہم کو اس قدر

۱عرفی کا شعر ہے، جس کی شرح چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کے نام سے خط بھی آ چکی ہے۔ مجلد ہذا صفحہ ۴۰۲) عجیب بات یہ ہے کہ دونوں خطوں کے الفاظ تک یکساں ہیں۔ گویا ایک خط دوسرے کی نقل ہے۔ ۲یہ شعر عرفی کا ہے:

ایثار تو بردوختہ چشم و دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را

بے حرمت و ذلیل کیوں کر رکھا ہے۔ قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا، بے حساب ہے، مقصود عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے۔ وہ بخش دیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوۃ استعداد موتی ہو جانے کی ہے۔ تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آئیں۔ تو وہ سائلوں کو دیے جائیں۔ پہلے مصرع میں حرص کا سیر کر دینا۔ موافق مسلمات شعرا کے ممتنع اور اس کا وقوع میں آنا۔ اغراق دوسرے مصرع میں باحتمال استعداد بالقوۃ قطرے کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو، یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو ہے ۱۱۲

داد کا طالب، غالب

(۴)

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آج منگل ۱۶، جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر سفیدہ صبح مراد سمجھا۔ ننگ ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیوں کر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھچوا کر بہ صورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا۔

لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھوا کر بیرنگ ارسال کیا۔ اس فرمان میں اس لفافے کی رسید نہ پائی۔ ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اڑا دیے۔ بے تاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی لفافے میں لپیٹ کر روانہ کی۔ اب جب آپ اور لفافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب مع اوراق اشعار بھیجوں گا۔ زیادہ حد آداب۔

(۵)

در پرستش ستم د در کامجوئی استوار
بادشہ را بندہ کم خدمت پر خوار ہست

حضرت پیر و مرشد برحق، روز افزونی کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ:

تقسیم جز و لا تتجزی محال ہے

آگے باو زمہریر نے لہو خشک کر دیا تھا۔ اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا[1]
کل عنایت نامہ آیا۔ آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا، مجھ کو باوصف استیلائے نسیان خیال میں آتا ہے کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں۔ ڈاکیے اب ڈاکو ہو گئے ہیں۔ اگر وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا تو کچھ بعید نہیں، متوقع ہوں کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت کی تاثیر سمجھنا چاہیے۔ میں مجرم نہ ٹھہروں، زیادہ حد آداب۔

روز دوشنبہ ۱۱۔ اپریل ۱۸۶۸ء نجات کا طالب، غالب

---

[1] تصویر: ظاہر از مہر سے مراد سرما ہے اور آتش دوزخ سے گرما۔

مفتی سید محمد عباس

مفتی صاحب سید اکبر علی شوستری کے صاحبزادے تھے۔ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ربیع الاول ۱۲۲۴ھ مئی ۱۸۰۹ء وہیں وفات پائی (۲۵ رجب ۱۳۰۲ھ ۲۷۔ مارچ ۱۸۸۹ء) تفسیر، حدیث، فقہ، رجال لغت، ہیت نیز فارسی، عربی اور اردو نظم ونثر میں کافی دستگاہ حاصل تھی۔ کم وبیش ساڑھے تین سو تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ فارسی، مادری زبان تھی۔ سید تخلص فرماتے تھے۔

کان پور بہ مکان نواب باقر علی خاں صاحب موصول و بخدمت خدام مخدومی جناب مفتی میر محمد عباس صاحب زادمجدہ مقبول و درباره بخشیدن اطلاع رسیدن ارمغاں عنایت مبدول باد

(مرسلہ چہارم اگست ۱۸۶۲ء)

گویا مفتی صاحب اس زمانے میں معتمد الدولہ آغا نائب السلطنت غازی الدین حیدر کے فرزند نواب باقر علی خاں (معین الدولہ انتظام الملک ظفر جنگ) کے ہاں کانپور میں مہمان تھے۔ مفتی صاحب نے قاطع برہان کی تاریخ کہی:

غالب آں مہر سپہر نظم و نثر
ہم صفیر صائبا و طالبا
تحفہ با مہر از مہرش رسید
شد رقم تاریخ مہر غالبا

مفتی صاحب نے میرزا کی مدح میں ایک رباعی بھی کہی تھی:

در فن معانی ید بیضا وارد
در سحر بیانی لب عیسی دارد
گر شیوہ منشیان دیگر جادوست
آواز قلمش عصائے موسیٰ دارد

قبلہ،

حضرت کا نوازشنامہ آیا۔ میں نے اس کو حرزِ بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایہ، وعزو افتخار ہے۔ فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی، نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے۔ نہ پیش نظر دھرا رہے۔ بلکہ اکثر دیکھا جاوے، میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے، گویا یا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں، نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں۔ سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جداچاہتا ہوں۔ طرز عبارت کی داد جداچاہتا ہوں۔ نگارش ظرافت سے خالی نہ ہوگی۔ گزارش لطائف سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔ مبداء فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد، تربیت استاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی کے غوامض جاننے لگا۔

بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ قاطع برہان کا لکھنا کیا تھا گویا

باسی کڑھی میں ابال آیا۔لکھنا کیا تھا کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے ہے یہ تنگ مایہ معارض کا برسلف ہوا ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔عرض کرتا ہوں کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا ،نینو نین سکھ قطع کیا ہے۔ جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے؟ برہان جب تک غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیوں کہ برہان قاطع نام پائے گی ،برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجئے گا۔وہ قاطع برہان، کی صحت کے ثبوت کے کام آئے گی۔قطعہ تاریخ کا کیا کہنا۔ گویا یہ کتاب معشوق اور قطعہ اس کا گہنا ہے۔

جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندہ فرمانبردار ہوں۔بعد عرض سلام شعر کے پسند آنے کا شکرگزار ہوں۔آپ کے علم وفضل وفہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے،لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے!

۱۲

عبدالغفور خاں نساخ

نساخ کے والد قاضی فقیر محمد صدر دیوانی کلکتہ میں وکیل تھے اور جامع التواریخ انھیں نے مرتب کی تھی۔ عبداللطیف خاں، جنھوں نے قومی خدمات میں ناموری حاصل کی نساخ کے بھائی تھے۔ نساخ ڈپٹی کلکٹر بن گئے تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں راج شاہی پہنچے اور وہاں کوئی ہم ذوق وہم مشرب نہ ملا تو کہا:

فغاں از جاہلان راج شاہی۔ وائے ناکامی
من ویزداں کسے ایں جا نہ فہمد زبانم را

میرزا کا مکتوب نساخ کے دیوان دفتر بے مثال کے متعلق ہے نساخ کا تذکرہ شعرا (سخن شعرا)

---

۱ نواب صاحب سے مراد نواب باقر علی خاں ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنے مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ نواب صاحب آپ کے اس شعر پر وجد کرنے لگے اور اسے مکرر پڑھا:

از من بہ من سلام ہم از من بہ من پیام
رنج و لے، مباد سلام و پیام ما

میرزا کے مکتوب کے آخری حصے میں اسی معاملے کا ذکر ہے:

دفتر بے معنی سے مراد قاطع برہان ہے، مفتی صاحب نے اپنے مکتوب کے آخر میں بھی یہ لکھ دیا تھا کہ ظرافت نے مصیبت برپا کی:

ظرافت نے آفت کو برپا کیا
درشتی نہ کرنی تھی یہ کیا کیا

مشہور ہے۔ مگر اب تک بہت کمیاب ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس نساخ کے کلیات کا ایک نسخہ تھا۔ جسے انھوں نے سادہ اوراق کے اضافے کیا ساتھ مجلد کرالیا تھا۔ اس میں جابجا نئی غزلوں کے علاوہ کہیں کہیں یادداشتیں بھی لکھی تھیں۔ غالباوہ سخن شعرا کے لیے، جو ۱۲۸۱ھ ۶۴۔۱۸۶۵ء میں مکمل ہوا تھا۔ مزید مواد فراہم کررہے تھے۔

نساخ یکم شوال ۱۲۴۹ھ، ۱۱فروری ۱۸۳۴ء کو پیدا ہوئے، وفات غالباً ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ ان کے فرزند کا نام شمس تھا۔ ریکارڈ آفس میں ملازم تھے۔ کلکتہ میں انھیں کی وجہ سے اردو شاعری کا چرچا تھا۔ وحشت مرحوم اور دوسرے اصحاب شمس ہی کے شاگرد تھے۔

جناب مولوی صاحب قبلہ،

یہ درویش گوشہ نشین، جوموسوم بہ اسداللہ اور متخلص بہ غالب ہے، مکرمت حال کا شاکر اور آیندہ افزایش عنایت کا طالب ہے۔ دفتر بے مثال، کو عطیہ کبری اور موہبت عظمی سمجھ کر یادآوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچمدان کو قابل خطاب و لائق عطاے کتاب جانا۔ میں دروغ گو نہیں، خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمی ہے۔ دفتر بے مثال اسکا نام بجا ہے۔ الفاظ متین، معانی بلند مضمون عمدہ، بندش دل پسند۔ ہم فقیر

لوگ اعلاء کلمتہ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے بڑھ ک بصیغہ مبالغہ نساخ ہیں۔ تم دانائے رموز اردو زبان ہو۔ سرمایہ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔

خاکسار نے ابتدا سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم ونثر فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں۔ مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا۔ فارسی زبان میں بہت کچھ بکا۔ اب نہ فارسی کا فکر، نہ اردو کا ذکر نہ دنیا میں توقع نہ عقبیٰ کی امید، میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید، جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں۔

چشم کشودہ اند بہ کردار ہائے من
ز آیندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا اب اور کہاں تک رہوں گا؟ ایک اردو کا دیوان، ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے[1] نثر کے، یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کہاں کہوں گا؟ مدح کا صلہ نہ ملا،

---

[1] ناہنج ،پنج آہنگ ،مہر نیمروز اور دستنبو۔

غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی، بقول طالب آملی علیہ الرحمتہ:

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود، بہ شد

سچ تو یوں ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔ طبیعت میں وہ مزہ، سر میں وہ شور نہ رہا۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا ملکہ کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔ حواس کا بھی بقیہ اس قدر ہے کہ معرض گفتار میں مطابق سوال، جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے۔ کہ دیکھیے وہاں! کیا پیش آتا ہے۔ اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیون کر بخشا جاتا ہے۔ حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جوابدا کے بادی اور مجھ کو ارسال نامہ کی سبیل کے بادی ہوئے ہیں۔ جب تک میں جیتا رہوں۔ نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے مرنے کے دعاے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ والسلام بالوف الاحترام،

مردان علی خاں رعنا

ان کے متعلق صرف یہ معلوم ہو سکا کہ مہاراجہ کپورتھلہ کے مقربین میں سے تھے اور کلکتہ بھی گئے تھے۔ کیونکہ نساخ نے سخن شعرا میں لکھا ہے۔ راقم نے انھیں کلکتہ میں دیکھا ہے۔ اور ان کی ایک کتاب غنچہ راگ کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۱)

خاں صاحب عالی شان مردان علی خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام، نظم ونثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آج اس فن میں تم یکتا ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے، بھائی جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ "ہتھنی آیا" اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مونث ہے۔ بے شبہ و شک، والسلام والاکرام ۱۲

(۲)

خاں صاحب مشفق عالی شان کو میر اسلام، کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رام پور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں صلاح کی حاجت نہ تھی۔ "نالہ در دل" "نالہ دل" بنا دیا[1]

---

[1] بارگاہ باری تعالی میں وقت پرسش نیک و بد، رعنا کا شعر یہ تھا:

گزرا ہے مرا نالہ در چرخ کہن سے
تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

غالب کا مدعا یہ ہے کہ در چرخ کہن کی جگہ دل چرخ کہن بنا دیا۔

نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے بے فائدہ لکھی۔ دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتا لکھا۔ سو میں ن ے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے۔ مجھ سے ملے تھے۔ بہت خوب صورت اور خوش سیرت سعادت مند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے مداح اور میں ان کا ثنا خواں، خدا تم کو اور ان کو سلامت رکھے[۱۲]

میرزا یوسف علی خاں عزیز

اجداد کا وطن بنارس تھا لیکن ان کے والد میرزا نجف علی خاں جنون بنارس چھوڑ کر علی گڑھ میں آ رہے اور وہاں کچھ جائداد بھی پیدا کر لی تھی۔ وہ سرشتہ دار اور تحصیلدار بھی رہے۔ جنوری ۱۸۵۴ء میں انتقال ہوا۔ یوسف علی خاں عزیز ناتجربہ کاری کے باعث جائداد کھو بیٹھے اور دہلی چلے آئے۔ میرزا غالب نے ان کے لیے کچھ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ بلی ماراں کے ایک ہندو رئیس کے لڑکوں کو پڑھاتے بھی رہے۔

مرثیہ گوئی اور سوزخوانی میں اچھی دستگاہ تھی۔ میرزا اور حکیم احسن اللہ خاں کی کوشش سے بہادر شاہ نے عزیز کو سراج الشعرا، اور سراج الذاکرین'' کے خطاب دیے نیز تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوگیا غالبا حیدر آباد میں درخواست دی تھی۔ جیسا کہ میرزا ذکا کے نام میرزا کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے۔ (خط نمبر ۱۱) تلاش روزگار میں بھوپال گئے اور میں ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء میں وفات پائی۔

(۱)

سعادت و اقبال نشان میرزا یوسف علی خاں کو بعد دعا کے دل نشین ہو کہ تذکیر و تانیث ہر گز متفق علیہ جمہور نہیں اے لو! لفظ اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے۔ اہل پورب اس کو مونث بولتے ہیں۔ خیر، جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا

ہوں۔اس باب میں کسی کا کلام حجت اور برہان نہیں ہے۔ایک گروہ نے کچھ مان لیا۔ایک جماعت نے کچھ جان لیا۔اس کا قاعدہ منضبط نہیں۔

الف مذکر، ت، ث مونث، جیم مذکر ح خ مونث دال ذال مونث مارے زے مونث سین شین مذکر، ص، ض، ط، ظ مونث، عین غین مذکر، ف مونث قاف کاف لام میم نون مذکر واوہ۔ ے مونث ہمزہ مذکر۔لام الف حروف مفردہ میں نہیں۔ مگر بولنے میں مذکر بولا جائے گا۔مثلاً لام الف کیا خوب لکھا ہے! کہیں گے! کیا خوب لکھی ہے'' نہ کہیں گے۔

''خزادہ'' خداوند کا مخفف ہے لیکن فارسی نہیں عربی نہیں۔اردو کا روزمرہ تھا۔ خزادہ اور خزادی مرادف

۱؎ اس خط میں نولکشور کے دہلی آنے کا ذکر ہے اور وہ ستمبر ۱۸۶۱ء میں آئے تھے لہذا یہ خط ۱۸۶۱ء کے بعد کا ہونا چاہیے۔

صاحبزادہ اور صاحبزادی ہے مگر فی زمانا متروک ہے۔

''فق فارسی لغت نہیں ہوسکتا۔عربی بھی نہیں۔روزمرہ اردو ہے۔جیسا کہ میر حسن لکھتا ہے:

کہ رستم جسے دیکھ رہ جاے فق

شعرائے حال کے کلام میں نظر نہیں آتا۔

''تکیہ'' لفظ عربی الاصل ہے۔فارسی و اردو میں مستعمل۔دونوں زبانوں میں ہم بہ معنی بالش ہم بہ معنی مکان فقیر آیا ہے۔ایران میں تکیہ مرزا صائب مشہور ہے۔

''گل تکیہ'' لفظ مرکب ہے۔ ہندی اور فارسی سے، گل مخفف گال کا اور تکیہ بہ معنی بالش وہ چھوٹا سا گول تکیہ جو رخسار کے تلے رکھیں، گل تکیہ کہلاتا ہے۔ گل بہ معنے اپھانسی انگریزی لغت ہے۔

انگریزی زبان نے بنگالے میں سو برس اور دلی اکبر آباد میں ساٹھ برس سے رواج پایا ہے۔ گل تکیہ وضع کیا ہوا نور جہاں بیگم کا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں اہل ہند کیا جانتے تھے کہ گل کیا چیز ہے۔

معنی مفرد بہ لفظ جمع اس جملے کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ معنی مفرد، معانی جمع، اور یہ جو اردو کے محاورے میں تقریر کرتے ہیں کہ اس شعر کے معنی کیا ہیں یا اس شعر کے معنی کیا خوب ہیں اس میں دخل نہیں کیا جاتا، خاص و عام کی زبان پر یونہی ہے۔ معانی کی جگہ معنی بولتے ہیں۔

''رت لفظ ہندی الاصل رتھ ہے بہ ہاے مضمرہ بعض مذکر بولتے ہیں۔ بعض مونث، شعر بہت اچھا ہے، صاف و ہموار ہے۔

(۱۸۵۶ء)

راقم غالب ۱۲

(۲)

میاں،

کل زین العابدین فوق کا خط، مع اشعار کے، ٹکٹ دار لفافہ کے اندر رکھ کر بسبیل بجھوا دیا ہے۔ آج صبح کو تمہارا خط آیا۔ دوپہر کو میں نے جواب لکھا۔ تیسرے

پہر کو روانہ کیا۔

"موتیوں کا پنکھا، البتہ بہت مناسب ہے، خیر موتیوں کا نوالہ بھی سہی

حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گے قواعد اہل سخن دریافت کر لو گے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں قافیے کی احتیاج آ پڑے اور اس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو عیب جاتا رہتا ہے۔ جیسا کہ استاد کا قطعہ ہے۔ اسمیں ریوو غزبود کالیو کا قافیہ ہے۔ اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے:

غلط کر دم دریں معنے کہ گفتم

زنخدان نگار خویش را سیو

Gallowas

حالانکہ صحیح سیب ہے بیا ہے موحدہ، شاعر نے اطلاع کر دی کہ میں نے غلط کیا جو سیو لکھا۔

اسی طرح حافظ فرماتا ہے:

بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

حاصل اس کا یہ کہ دیکھ کتنا تفاوت ہے۔ ایک جگہ حرف روی، اور ایک جگہ متحرک، مگر یہاں ابھی معترض کو گنجائش ہے کہو، یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تفاوت تم نے کیوں رکھا؟ اس کا جواب پہلا مصرع ہے:

صلاح کار کجا و من خراب کجا

یعنی حافظ فرماتاہ کہ عاشق زار و دیوانہ ہوں۔ صلاح سے مجھ کو کیا کام؟

پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے۔ تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر کوئی مونث بولے گا تو اس کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مونث نہ کہوں گا۔

سیف کو، عدد کش، اور کمند کو، عدد بند کہتے ہیں۔ سیف، عدد بند نہیں ہو سکتی، تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو عدد بند، نہ کہو، کوئی اور اگر کہے تو اس سے لڑو،

''زلف کو'' شب رنگ اور شبگوں کہتے ہیں۔ شبگیر، زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی، شبگیر، اس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھڑی رات رہے چل دیں۔ نالہ شبگیر آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ زلف شبگیر، نہ مسموع نہ معقول،

سخن کا قافیہ بھی درست ہے اور تن بھی جائز ہے، یعنی سخن کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اس پر متقدمین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے۔

قبہ خشخاش پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں۔ اس میں کچھ تامل نہ چاہیے۔

تم اپنی تکمیل کی فکر کرو۔ زنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو، والدعا

(۳)

بھائی،

تم کیا فرماتے ہو؟ جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو؟ واقعی غدر میں گھر نہیں لٹا، مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا، ہاں بھائی ضیاء الدین خاں ہندی اور فارسی نظم اور نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے

تھے۔ سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟

ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارھویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا حال میں نے لکھا ہے اور نثر فارسی زبان قدیم میں ہے کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے اور ایک قصیدہ فارسی متعارف، عربی اور فارسی ملی ہوئی زبان میں، حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی ستایش میں اس نثر کے ساتھ شامل ہے۔

یہ کتاب مطبع مفید خلائق آگرہ میں منشی نبی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ مہر اور منشی ہرگوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔ فی الحال مجموعہ میری نظم ونثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں۔ اگر منشی امیر علی خاں میرے کلام کے مشتاق ہیں تو یہ نسخہ موسوم، بہ دستنبو، مطبع مفید خلائق میں سے منگا لیں اور ملاحظہ فرمائیں۔

میر احمد حسین میکش

میر کرار حسین کے صاحبزادے اور میرزا غالب کے عزیز شاگرد، دہلی کے سیدزادوں میں سے تھے۔ زیادہ تر فارسی کہتے تھے۔ میرزا نے میر مہدی مجروح کو ایک خط میں جو فروری ۱۸۵۸ء کا ہے۔ لکھا ہے:

میکش چین میں ہے۔ باتیں بناتا پھرتا ہے۔ سلطان جی میں تھا۔ اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے (خط نمبر ۱)

اسی حالت میں وہ غریب گرفتار ہوا اور پھانسی دیدی گئی۔ میرزا ایک خط میں لکھتے ہیں:

احمد حسن کا حال کچھ معلوم تم کو ہے۔ مخموق ہوا (یعنی پھانسی پا گیا) گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔

بھائی میکش!

آفرین، ہزار آفرین، تاریخ نے مزا دیا۔ خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہوں گے۔ جن کی تاریخ ایسی ہے، دیکھو صاحب:

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

تاریخ دیکھی۔ اس کی تعریف کے خرمے کھائیں گے۔ اس کی تعریف کریں گے۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق دین

محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی رقعہ لیکر آیا ہے۔ ابھی خرمے لیکر آوے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے۔

تو ہم بھی کہیں گے:

''تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر۔''

۱۸۵۶ء

(۲)

میاں عجیب اتفاق ہے۔ نہ میں تمہارے دیکھنے کو آ سکتا ہوں۔ نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو۔ وہ قدم رنجہ کہاں سے کرو سراپا رنجہ ہو۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ تعطیل کے رن کیا ناخوش گزرے۔ یوسف مرزا سے، میر سرفراز حسین سے تمہارا حال سن لیتا ہوں۔ اور رنج کھاتا ہوں خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے۔ خواہش یہ ہے کہ نا توانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو۔ والدعا

اسد

پیارے لال آشوب

رائے بہادر، سلسلہ نسب راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے۔ آپ کے بزرگواروں میں سے رائے بال مکنداور رائے سیتارام مرہٹوں کے عہد میں مناصب جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ سری رام صاحب مولف خمخانہ جاوید کے عم محترم تھے۔ ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ پرانے دہلی کالج میں ماسٹر رام چندر سے ریاضی کی اور مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی کی تعلیم پائی۔ پھر گوڑ گانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کوآن کی تبدیلی ہوئی تو الوداع کے لیے ایک جلسہ قرار پایا اور صاحب موصوف کے لیے چاندی کا ایک قلمدان بطور یادگار پیش کرنے کی تجویز ہوئی۔ اس پر ایک شعر کندہ کرانا تھا۔ آشوب ایک دوست کے ساتھ میرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجوزہ شعر کے لیے درخواست کی، میرزا نے مندرجہ ذیل قطعہ موزوں فرمایا:

گوڑ گانوں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم
عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی
سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے
مستر کوآن صاحب عالی مقام کی

اسی وقت سے آشوب کے گہرے تعلقات میرزا سے قائم ہوئے۔ ۱۸۶۶ء میں ریل کے افتتاح کے لیے پنجاب کے گورنر سر ڈانلڈ میکلوڈ نے ایک دربار منعقد کیا تھا۔ اس میں میرزا بھی شریک تھے۔ آشوب سہارا دینے

کے لیے میرزا کے ساتھ ہو گئے۔ میرزا نے گورنر سے کہا یہ میرا بیٹا تو نہیں مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے پھر آشوب لاہور میں سررشتہ تعلیم کے کیوریٹر بعدازاں انسپکٹر مقرر ہوئے۔ رائے بہادر کا خطاب ۱۸۹۲ء پنشن ۱۸۹۵ء رسوم ہند کے پہلے تین باب قصص، ہند حصہ اول وسوم، اردو کی تیسری کتاب، ترجمہ تاریخ انگلستان ترجمہ تاریخ قیصری وغیرہ آشوب کی تصانیف ہیں۔

(۱)

شفیق مکرم بابو پیارے لال صاحب کو سلام، کل رقعہ مع مسودہ بابو چند لال صاحب کے پاس پہنچ گیا ہو گا۔ یقین ہے کہ آپ کی نظر سے گزرا ہو گا اور آپ مسودہ کرنے پر متوجہ ہوں گے۔ اِجلد نہیں۔ آپ بغور اچھی طرح تامل سے لکھیے۔ جب صاف ہو جائے گا مجھے دیجیے گا۔ میں اپنی مہر کر کے ڈاک میں بھجوا دوں گا۔

اِظاہر ہے کہ میرزا کوئی درخواست پنجاب کے گورنر کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسکی انگریزی ترجمہ آشوب کے ذمہ لگایا تھا۔

ابھی ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ کل لارڈ صاحب آئیں گے اور پرسوں شملہ تشریف لے جائیں گے۔ بطریق اطلاع آپ کو لکھا جاتا ہے۔ یہ منظور نہیں کہ عرضی آج تیار ہو جائے۔ اور کل میں آپ کو دوں۔ اِڈاک میں ارسال کرنا منظور ہے۔

۳۰۔ اپریل ۱۸۶۶ء

راقم اسداللہ خاں غالب

(۲)

کیوں صاحب، ہم سے ایسے خفا ہو گئے کہ ملنا بھی چھوڑا، خیر میری تقصیر معاف کرو، اور اگر ایسا ہی گناہ عظیم ہے کہ کبھی بخشا نہ جائے گا تو وہ گناہ مجھ پر ظاہر کر دو تا کہ میں اپنے قصور پر اطلاع پاؤں۔

برخوردار رہیر اسنگھ تمہارے پاس پہنچتا ہے۔ اور یہ تمہارا دست گرفتہ ہے۔ رہتک میں اسے نوکر رکھوا دیا تھا۔ خیر وہاں صورت بگڑ گئی ۲۔ اب یہ غریب بہت تباہ ہے اور امور معاش میں سخت تنگ دلی۔ تمہیں دست گیری کرو تو یہ سنبھلے۔ ورنہ اس کا نقش ہستی صفحۂ دہر سے مٹ جائے گا۔

عنایت کا طالب غالب

(۳)

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینے سے ہے۔ ورنہ جلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور انھیں کون صیقل کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے۔ بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ مقدر معلوم ہو گیا تو اب اس مفہوم کو سمجھیے:

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہوگیا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے۔ سو ہے۔ چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک جیب آثارِ جنوں ہی سے ہے۔

غالب

(۴)

۱؎ آپ سے مراد لاٹ صاحب یعنی گورنر ہے۔ ۲؎ رائے چھج مل کا بیٹا اور جواہر سنگھ جوہر کا بھائی جسے آشوب ہی نے رہتک میں ملازم رکھوایا تھا۔ وہ صورت بگڑ گئی تو اب کسی دوسری ملازمت کے انتظام کے لیے لکھا۔

فرزند ارجمند اقبال بلند بابو ماسٹر پیارے لال کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا۔ اس کی جتنی شکایت کروں۔ بجا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ میں تمہارا عاشق ہوں اور کیوں کر نہ عاشق ہوں۔ صورت کے تم اچھے، سیرت کے تم اچھے۔ شیوہ و روش کے تم اچھے۔ خالق نے خوبیاں تم میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ اگر میرا صلبی فرزند ایسا ہوتا تو اس کو اپنا فخر خاندان سمجھتا۔ اور اب تم جس قوم اور جس خاندان میں ہو، اس قوم اور اس خاندان کے ذریعہ افتخار ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال و جاہ و جلال عطا کرے۔

میاں، تم کو یاد ہے کہ میں نے تم کو سابق اس سے نورِ چشم میرزا یوسف علی خاں کے باب میں کچھ لکھا ہے؟ میرے اختلال حواس کا حال تم جانتے ہو، خدا جانے

اس وقت کس خیال میں تھا اور کیا لکھ گیا۔ جو لکھا وہ سہل انگاری تھی۔ اب جو لکھتا ہوں یہ راست گفتاری ہے مختصر یہ یعنی میرزا یوسف علی خاں عزیز بڑے عالی خاندان اور بڑی بزرگ قوم کے ہیں۔ شاعر بھی بہت اچھے ہیں۔ صاحب استعداد ہیں علم ان کو اچھا ہے۔ یہ بھی گویا اہل علم و فضل سے ہیں اور ترقی کے قابل ہیں۔ نور چشم مولوی نصیر الدین کو میری دعا کہنا۔

محررہ ۳۔ جنوری ۱۸۶۸ء

جواہر سنگھ جوہر

میرزا غالب کے عزیز دوست اور رفیق رائے چھج مل کا بیٹا۔ اس سے اور اس کے بھائی ہیرا سنگھ سے میرزا کو اولاد کی طرح پیار تھا۔ جوہر فارسی شعر کہتے تھے، سرکاری ملازمت میں ترقی پا کر تحصیلدار بن گئے۔ میرزا کی وفات سے پیشتر پنشن لے چکے تھے۔ اردوے معلّٰی کی ترتیب و طباعت میں بھی جوہر نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ میرزا نے ایک رباعی میں میکش اور جوہر دونوں کا ذکر کیا ہے:

یا میکش و جوہر دو سخنوز واریم
شان دگر و شوکت دیگر داریم
درمیکدہ پیریم پے کہ میکش از ماست
در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم

(۱)

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعا دوام عمر و دولت معلوم ہو، خط تمہارا پہنچا، خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی قطعے جو تم کو مطلوب تھے۔ اس کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے۔ میں تم سے کہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں، روپیہ صرف کیا۔ پندرہ روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ، اور پچیس تیس روپے اور صرف کیے۔ پانچ پانچ اور چار چار روپے اور دو دو روپے کو قطعے مول لیے اور بنوائے۔ خرید میں روپے جدا

دیے اور بنوانے میں روپے جدا لگے۔ دوڑتا پھرتا حکیم صاحب کے پاس کئی بار جا کر حضور والا[۲] کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے۔ ولیعہد بہادر کے دستخطی قطعے کے واسطے یقین ہے

---

[۱] اس سے ظاہر ہے کہ آشوب کے نام خط اور بھی تھے۔ جو محفوظ نہ رہے۔ [۲] بہادر شاہ حکیم صاحب سے مراد بظاہر حکیم احسن اللہ خاں ہیں۔

کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قطعے کے ہاتھ آنے کے وہ سب یکجا کر کے تمہارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اس کی کر رہا ہوں۔ لیکن اس نے بڑی مشقت کی۔ آفرین صد آفرین پندرہ روپے میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا، اور ماں کو عاجز کر کے اس سے بہت روپے لیے۔ جب سے قطعے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ تب اس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہوگا۔

کیوں صاحب، وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا۔

۱۸۵۹ء اسد اللہ

(۲)

برخوردار،

تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر آنا معلوم ہوا۔ ہاں لالہ چھمل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ان دنوں خصوصا اس شدت سے نزلہ چھاتی پر گرا کہ وہ گھبرا گئے۔ اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ بارے

کچھ صحت ہوگئی ہے۔ بھائی یہ آفتاب سرکوہ ہیں۲ ہیرا کا ان کے پاس رہنا اچھا ہے تم سے جو ہو سکے گا تم اس کے مصارف کے واسطے مقرر کر دو گے۔

غزل تمہاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دے کر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے:

چرا نہ یاس بجان امیدوار افتد

یہاں افتد مہمل ہے۔ یاس بہ دل افتادن، یاس بہ جان افتادن، روزمرہ نہیں او رہی کئی افتد ایسے ہی ہیں:

سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد
بسان سایہ ہما نیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایے کا بہ اعتبار سیاہی رنگ ہے۔ اب یہاں دونوں افتد، ٹھیک ہیں۔ گزار افتادن روزمرہ اور دوسرا

---

۱ اس خط کو ۱۸۵۹ء کا قرار دینے کو غالب کے فارسی خطوط میں یکم دسمبر ۱۸۴۸ء کا مرقومہ ایک خط جوہر کے نام ہے۔ جس میں لنگی کی فرمایش ہے۔ ملاحظہ ہو کلیات نثر غالب فارسی صفحہ ۲۲۵۰ ۲ رائے چھج مل کا انتقال ۱۸۶۰ء میں ہوا۔ غالب کے عزیز دوست تھے۔ سفر کلکتہ کے دوران میں کئی خط انھیں لکھے جو پنج آہنگ میں موجود ہیں تاریخ وفات بھی کہی۔

گویند رائے چھج مل ، شیریں کلام مرد
دیرینہ دوست رفت ازیں تنگ ، نا دریغ
گفتم کے نہ سال وفاتش نشاں دہد

غالب شید وگفت چہ گویم بسا دریغ

۱۲۷۷ھ

''افتد'' بہ معنی واقع شود۔''

شنیدہ ام ، بجفاے تو مبتلاست عدد
چرا نہ شور بجان امیدوار افتد

شور افتادن روزمرہ ہے اور یاس افتادن غلط:

بہ حیرتم کہ ز دوزخ کسان دوزخ را
کجا برند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں افتد، بہ معنی واقع شود ٹھیک:

بہ گبرم و نہ مسلماں، بجیر تم کہ مرا
سواے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے۔ آفرین:

قرار در وطن افسردہ مے کند دل را
خوشا غریب کہ دور از دیار و یار افتد

یہاں بھی افتد صحیح و بامعنی:

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند
خوش است پیشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی افتد بہ معنی، واقع شود:

ترا، کہ شیوہ دگرگوں کنی بہ زعم بتاں

خوش است ، گرز جفا بر وفاقرار افتد

افتد یہاں بھی ٹھیک ہے بات اتنی ہی تھی کہ بود گدا لفظ تھا صاف ایسا ہے:

خط رخ تو بدل وادہ خط آزادی

خوشم کہ درشکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہوگئی۔ معنی کا عیار کامل ہو گیا۔

چکدر ز خامہ جوہر سخن چناں کہ مگر

بزور موج در از بحر ، بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد

نگاشتہ شنبہ نہم اپریل ۱۸۵۳ء ازاسد اللہ

(۳)

برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڈھ کی تحصیلداری مبارک ہو۔ پہلی س نوح آئے نوح سے بلب گڈھ گئے۔ اب بلب گڈھ سے دلی آ ؤ گے۔ ان شاءاللہ۔

سنو صاحب ، حکیم میرزا جان ، خلف الصدق حکیم آغا جان صاحب ، کے ، تمہارے علاقہ تحصیلداری میں بصیغہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں۔ ان کے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں۔ ان کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم میرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے بھائی ہوئے۔ لازم ہے کہ ان سے یکدل و یکرنگ رہو اور ان کے مددگار بنے رہو۔ یہ عہدہ

بصیغہ دوام ہے۔تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی۔صرف اسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔سرکار کے خاطر نشان رہے کہ حکیم میرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے۔

---

۱ مطلب یہ ہے کہ جوہر نے پہلا مصرع یوں لکھا تھا۔ترا کہ شیوہ وگرگوں بود بہ زعم تباں۔۔۔۔۔۔۔۔غالب نے بود کی جگہ گنی بنا دیا۔

۲فروری ۱۸۶۴ء غالب

منشی ہیرا سنگھ

رائے چھج مل کا چھوٹا بیٹا، جواہر سنگھ جوہر کا بھائی، میرزا کے کہنے پر آشوب نے اسے رہتک میں ملازمت دلوادی تھی۔ وہ قائم نہ رہی تو دوبارہ ملازمت کا انتظام کر دیا۔

(۱)

فرزند ارجمند سعادت مند، منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں اور ان کے جتنے مطالب و مارب ہیں وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں۔ بھائی، لب ساحل کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا:

مدتے آں گدائے خونیں دل
بود تنخالہ لب ساحل

لب بام، لب فرش لب گور، لب چاہ، لب دریا، لب ساحل بہ معنی کنارے کے ہے۔ مستعمل اہل ایران، لب بام اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آئیے۔ پس لب دریا، اسے سمجھیے جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی میں جائیے۔ لب ساحل وہ ہوا۔ جہاں سے آگے بڑھے تو دریا میں گرے۔ لب دریا سے پانو دریا میں رکھا جاتا ہے۔ جیسا نہانے کے واسطے اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں۔ جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے۔

وہاں کڑا اڑے کے کنارے پر سے کودتے ہیں، کڑا اڑا ساحل اور کڑا اڑے کا کنارا لب ساحل، جو صاحب کہ لب ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے۔ اور اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستان بوستان کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھیں گے تو یقین ہے کہ دیکھ لیں گے۔

نجات کا طالب، غالب

(۲)

نور چشم غالب غم دیدہ، منشی ہیرا سنگھ کو دعا پہنچے، تمہارا خط محررہ ۱۱ جنوری پہنچا۔ دورے کا سفر بارے تمام ہوا۔ اب جاڑے کے دن آرام سے کاٹو۔ گھبراؤ نہیں۔ سال بھر پڑھائے جاؤ۔ جب لڑکا شد بد سے آگاہ ہو جائے۔ تب ڈپٹی کمشنر سے ترقی کی درخواست کرنا۔ اگر نائب تحصیلدار ہو جاؤ گے تو رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ ہونے کی گنجائش ہے۔ مدرسے کے علاقے میں تو نوکر نہیں ہو جو بابو پیارے لال کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو۔ زنہار میں اس باب میں نہ بابو صاحب سے کہوں گا اور نہ یہ خط تمہارا منشی جواہر سنگھ کو دکھلاؤں گا۔ ناحق الجھو۔ کیوں؟ اس الجھنے سے فائدہ کیا؟ خاطر جمع رکھو:

کہ رحم گر نکند مدعی خدا بکند

میں ویسا ہی ہوں جیسا تم دیکھ گئے ہو اور رجب تک جیونگا، ایسا ہی رہوں گا۔

۱۴۔ جنوری ۱۸۶۸ء غالب

بہاری لال مشتاق

دہلی کے کستھ، منشی من بھاون لال کے صاحبزادے، ولادت ۱۸۳۵ء وفات، ۱۹۰۸ء پہلے حکیم رضا خاں کے چھاپے خانے، اکمل المطابع میں ملازم تھے۔ اور اکمل الاخبار جاری کر رکھا تھا۔ حکیم محمود خاں مرحوم سے بھی وابستہ رہے۔ آخر میں رائے بہادر سری کرشن داس رئیس دہلی کے پاس ملازم ہو گئے تھے۔

(۱)

سعادت مند با کمال منشی بہاری لال بہ یمن تاثیر دعائے غالب خستہ حال، عمر و دولت و اقبال فراواں ہو۔ منشی من بھاون لال تمہارے والد ماجد کا انتقال موجب رنج و ملال ہوا۔ اگر چہ اس رہرو جادہ فنا سے میری ملاقات نہ تھی، لیکن تمہارے تنہا و بے مربی رہ جانے کا میں نے بہت غم کھایا۔ خدا ان کو بخشے اور تم کو صبر عطا کرے۔

۲۶۔ فروری ۱۸۶۸ء غالب

(۲)

برخوردار بہاری لال،

مجھ کو تم بہاری لال،

مجھ کو تم سے جو محبت ہے۔ اس کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخ

فال منشی مکند لال [1] میرے بڑے پرانے یار ہیں۔ خوش خو، خوش رو، بذلہ گو، دوسرے تمہاری سعادت مندی اور خوبی اور علم اور بقدر حال علم، اردو نظم ونثر میں تمہاری طبع کی روانی اور تمہارے قلم کی گل فشانی، مگر چونکہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے۔ بہ تقلید اور انشا پردازوں کے تمہاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے۔ مگر بہاری لال، اس نونہال باغ دولت یعنی حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔ یہ دانشمندانہ ستووہ خوے امیر نامور ہونے والا اور مراتب اعلیٰ کو

---

[1] مشتاق کے ماموں منشی مکند لال ابوظفر بہادر شاہ کے مصاحب خاص تھے۔

پہنچنے والا ہے۔ اس کی ترقی کے ضمن میں تمہاری بھی ترقی ہونے والی ہے۔

بیا دامانِ صاحب دولتے گیر

کہک مرہ از صاحب دولت شود پیر

میاں سچ تو یوں ہے کہ اکمل المطابع، اجمل المطابع بھی ہے۔ حکیم غلام نبی خاں منجملہ خوبان روزگار ہیں۔ نکوخوے اور نیکوکردار ہیں۔ میر فخر الدین آزاد منش اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ کم گفتار اور مرنجاں مرنج ہیں۔ تم چاروں شخص پیکر صدق وصفا اور مہر ولا کے چار عنصر ہو۔ جہاں آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود دل شاد اور اکمل المطابع کو بارونق اور آباد رکھے۔

۷۔ جون ۱۸۶۸ء غالب

کیول رام ہوشیار

دہلی کے کائستھ میرزا غالب کے شاگرد، ان کے والد سلطان سنگھ بیگم سمرو کی فوج میں بخشی کے عہدے پر مامور تھے۔ کیول رام عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی بھی جانتے تھے۔ ذہن وذکی تھی۔ پہلے بیگم سمرو کی سرکار میں ملازم رہے۔ پھر معلم بن گئے۔ امیرزادوں کو پڑھاتے تھے۔ پھر جیل خانے میں قیدیوں کو تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ آخر یوپی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس بنا دیے گئے۔ ضعیفی کے باعث دورے کے شدائد برداشت کرنے کی ہمت نہ رہی تو چاندپور میں صدر مدرس بن گئے۔ چھوٹی بڑی اسی کتابوں کے مصنف ہیں، اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعراء ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور ان کا کلام سند ہے۔ سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہیں۔ اہل ایران میں رودکی فردوسی سے لے کر جامی تک اور جامی سے صائب وکلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو۔ کوئی فرہنگ جمع کی ہو۔ تو ہمیں دکھاؤ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنہ گار،

جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں۔ نام ان کے کہاں تک لوں۔ مشہور وغیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہوں گے۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں، کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے۔

بمناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیے۔ استنباط معنی کا مدار اس قیاس پر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قیاس ان کا سراسر غلط ہے۔ میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی[1] یعنی جامع برہان قاطع احمق او رغلط فہم اومعوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجہ

---

[1] محمد حسین تبریزی صاحب برہان قاطع جیسے غالب عموماً دکنی لکھتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ دکن میں تھا اور وہیں کتاب مرتب کی۔

''گیا'' اور ''گیاہ'' بکاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں۔ ''گیا'' بہ کاف فارسی مفتوح کی کوئی لغت فارسی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے، مولوی روم اور حکیم سنائی کے بات کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز او رفتحہ بنایا ہو، فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھتے ہیں، نہ گیا بہ معنی پہلوان ہے نہ کارگیا کوئی لفظ ہے۔ نہ کوئی لغت ہے ۱۲

''کے'' بہ کاف مفتوح بروزن مے ایک لغت فارسی ہے۔ ذو معنین، یعنی دو معنی دیتا ہے۔ ایک تو ''کب'' یعنی ''کس وقت'' اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے، الف جو اس کے ساتھ آتا ہے، وہ کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے خوشا بہت خوش بدا بہت بد ''کیا'' بڑا حاکم'':

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا
یافتند از عشق اوکار کیا

یعنی بہ سبب عشق کا بزرگ یافتند،

سر فرو بردیم تا بر سروراں سرور شدیم
چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی پڑا۔پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے۔ اگر معروف ہے تو مصدری ہے۔یعنی بزرگی کا کام،حکومت کا کام،وہ کیا مضاف او رمضاف الیہ مقلوب ہے،یعنی کیائے وہ اور حاکم وہ کار کیا، مثلہ یعنی کیائے کارو مالک کار۔جہاں ماقبل اس کے رائے مکسور لائیں گے۔وہاں ''کار'' موصوف اور ''کیا'' صفت ہے۔نہایت تحقیق و اصل حقیقت یہ ہے۔فقیر نے جہاں ''کیا'' لفظ پر خط مستقل کھینچا ہے۔وہ علامت فتحہ ہے،دوسرا امر کز نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے گا ۱۲

دادکا طالب غالب

مولوی کرامت علی

ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ غالباً انبالہ میں رہتے تھے۔

فقیر اسداللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ یہاں آئے ہیں اور آپ کی ملاقات سے خط اٹھایا ہے حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں۔ شعرا لکھنو میں سے کسی کے ہیں، بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں:

ایعنی دید جو ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتابیں ہیں۔

خوست کز مارنجد و تقریب رنجیدن، نہ داشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نہ داشت

''داشتن'' بمعنی ''رکھنے کے ہے۔ لیکن اہل زبان بمعنی، بایستن، بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوریؒ:

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم ایں قدر بر خویش پیچیدن نہ داشت

میرے شعر میں پہلے مصرعے کا داشت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعے کا داشت بمعنی، بایست، ہے مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈھتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت آئے۔ میں نے دوست

سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راندہ درگاہ ہوا۔ معشوق اس گستاخی کو بہانہ، عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا، اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے ''پرسیدن نداشت'' یعنی پوچھنا نہ چاہیے تھا۔''

دیر خواندی سوے خویش و زود فہمیدم دریغ
پیش ازیں پایم ز گرد راہ پیچیدن نہ داشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلاوے۔ مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں اپنے غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آ سکے گا۔ تب بلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے کہ، زود فہمیدن'' پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر،

من بوفا مردم و رقیب بدرزو
نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزو

انگبین، شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں، جب تک اس کو تبر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ بدرزدن'' اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں۔ باہر مارنا، یعنی بدر باہر اور 'زدن'' مارنا، لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو

یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی۔ جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی۔ پو و بال اسکے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی ہیں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری، یعنی وہ چاٹ کر، لطف اٹھا کر، صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر و ہیں مر کر رہ گیا:

در نمکش بین و اعتماد نفوذش
گر بہ مے افگند ہم بہ زخم جگر زد

''زدن'' لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا اور متعدی کے معنی، مارنا یہاں زدن لازمی ہے۔ اب یہ سمجھا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اسے نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسا ہے۔ اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا۔ زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی اپنا کام کر رہتا ہے:

کیست دریں خانہ کز خطوط شعاعی
مہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے، یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازے کے روزن پر پھینک دیے ہیں؟ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں پر پڑتا اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے۔

دعوی اور را بود دلیل بدیہی
خندہ دنداں نما بہ حسن گہر زد

''خندہ دنداں نما'' اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے۔ جس کو اپنے نزدیک سمجھ لیتا ہے۔ اصل معنی کہ یہ میرا معشوق موتیوں کے جنس پر ہنسا۔ گویا اس نے یہ دعوی کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے۔ وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل نے سب کو دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی۔ مان لیا۔

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک
چہ آتش ببال مرغ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانے

پر ۔یعنی رشک ۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں ۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا ۔ لو وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا ۔ اب دن کو بھی مبارک ہو ۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور اپنی ستی اور بے خودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب ہے ۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانے کو دیکھ کر کھاتا تھا ۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے جو میری طرح جلتا ہے:

لشکر ہوشم بزورمے نہ شکستی
غمزدہ ساقی نخست راہ نظر رو

نکہ ''کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی، یہاں نگاہ کے معنی ہیں ۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بے ہوش ہو جاتا ۔ مگر کیا کروں کہ پہلے غمزدہ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا ۔ پھر اس پر شراب پی گئی ۔ بے خودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی گیا تھا ۔ ناچار ہوش جاتے رہے ۔

زان بت نازک چہ جاے دعوی خون است
دست دے و دامنے کہ اد بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے ۔ بیانی نہیں ہے ۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے ۔ خون کا دعوی کیا کریں کہ اسکے وقت عزم قتل، دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہات ہے اور وہ امن کہ جو انھوں نے گردان کر کمر پر باندھا ہے ۔ ایسا لچکا کمر کو پہنچا ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد

خواہ ہو رہا ہے۔ پس کوئی اس سے خون کا کیا دعوی کیا کرے گا۔

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم ق
ہر چہ ز طبع زمانہ بے ہدہ سرزد
شاخ چہ بالدگر ارمغان گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلاے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں کہ بمقتضاے طینت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہے۔ مثلاً گنا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانش مندی ہے کہ اس نے گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ پس اس طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں یہ خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے؟ ہم نے اپنے زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدہ ای ۔ گنہ چہ شماری؟
غالب مسکین بہ التفات نیر زد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہش پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عقبی میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے؟ جب ہمارے مطالبات آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے ۱۲

غالب

نواب مصطفیٰ خاں بہادر شیفتہ

نواب صاحب قوم کے بنگش تھے۔ان کے داد وولی داد خاں کوہاٹ سے دہلی آئے۔والد ماجد عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضی خاں بہادر نے لارڈ لیک کی معیت میں کارہائے عظیم انجام دیے اور صلے میں ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر پایا۔جہانگیر آباد کا علاقہ انھوں نے خود خرید کیا۔جواب تک ان کی اولاد کے قبضے میں ہے۔مرتضی خاں کی شادی محمد بیگ ہمدانی کی نواسی اور اسماعیل بیگ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔وہی شیفتہ کی والدہ تھیں۔پلول کی جاگیر تین لاکھ روپے کی تھی۔مرتضی خاں کی وفات کے بعد وہ ضبط ہوگئی اور خاندان کے لیے پچیس ہزار کی پنشن مقرر ہوئی۔

نواب مصطفیٰ خاں ۱۲۲۱ھ ۱۸۹۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔بہترین تعلیم وتربیت پائی۔فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص فرماتے تھے۔اہل زوق کے نزدیک غالب کے بعد فارسی اور اردو میں ان جیسا کوئی شاعر نہیں ہوا۔دہلی کی آخر مجلس علوم و فضل کے ایک ممتاز رکن تھے۔۱۸۳۵ء میں سفر حج اختیار کیا اور ایک سفر نامہ لکھا۔جس کا عربی نام ترغیب السالک الی احسن المسالک۔اور فارسی نام رہ آورد ہے۔یہ سفر نامہ اب بہت کمیاب ہے۔ریختہ کو شعراء کے حالات میں گلشن بےخار کے نام سے ایک تذکرہ لکھا۔تریسٹھ برس کی عمر پا کر ۱۲۸۶ھ میں غالب سے صرف چند ماہ بعد وفات پائی۔نوراللہ تعالیٰ مضجعہ۔غدر میں ان پر

سخت مصیبت آئی تھی خود گرفتار ہوئے ۔ جاگیریں ضبط ہوگئیں ۔ مقدمہ چلا اور سات سال قید کی سزا پائی ۔ لیکن مرافعہ میں رہا ہو گئے اور صرف جہانگیر آباد کا علاقہ بحال رہا۔

شیفتہ کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ان کے چھوٹے صاحبزادے نواب محمد اسحاق خاں نے کلیات شیفتہ وحسرتی کے نام سے چھپوا دیا تھا۔ ہمارے ممتاز قومی کارکن نواب اسماعیل خاں بیرسٹر ایٹ لا مرحوم (میرٹھ) شیفتہ کے پوتے تھے ۔ میرزا غالب نے شیفتہ کی محبت کے متعلق جو دستاویز حبسیہ میں پیش کردی ہے ۔ اس کے نقوش دلوں سے کبھی محو نہ ہوں گے ۔

خواجہ ہست دریں شہر کہ از پرسش وے
پایہ خویشتنم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غم خوار من است
گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

جناب بھائی صاحب قبلہ،

یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنے دارالریاست میں پہنچ گئے ہوں اور بجمعیت خاطر روزہ رکھتے ہوں سوا پان کے کوئی خیال اور مولوی الطاف حسین کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہ ہو ۔ خدا کرے تم کو یاد آجائے کہ مفتی جی[۲] شگفتی کو شگفت کا مزید علیہ مسلم نہیں جانتے تھے ۔ سکندر نامہ میں دیکھا:

بسے در شگفتی نمودن طواف

عنان سخن را کشد در گزاف

صہبائی[1] شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بہ شام جانتا تھا۔ محمد سعید اشرف ماژندارانی کے کلام میں نظر پڑا:

---

1 خواجہ الطاف حسین حالی جو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے مصاحب بن گئے تھے۔[2] مفتی صدر الدین آزردہ[3] مولوی امام بخش صہبائی۔ آخری دور میں فارسی کے مشہور معلم، غالب کے ہم عصر ۱۸۵۷ء میں انھیں گوروں نے بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ہمچو صبح شفق آلودہ رخش سرخ و سفید

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا:

از جسم بے جاں نقاب تا کے

ایں گنج دریں خراب تا کے

حضرات کو اس میں تامل ہے۔ خرابہ کہ جگہ خراب کو نہیں مانتے۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی اصل خراب، اور خرابہ مزید علیہ، ویران، لغت فارسی الاصل اور ویرانہ، مزید علیہ موج لغت عربی اصل موجہ مزید علیہ ہے؟ مزید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو؟ یہ ایک مصرع قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرع مجھے یاد نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کا ہے:

چوں مہر در کسوفم و چوں گنج در خراب

میں خود کہتا ہوں کہ اس کو نہ مانو۔ اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا۔ یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ الرحمتہ کا ہے اور اس کے دیوان میں موجود ہے:

بہ فکر دل نہ فتاوی بیچ باب دریغ
بگنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ

گنج وخراب، گنج وخرابہ، گنج ویران۔ گنج ویرانہ مستعمل اہل ایران ہے۔ اس بات میں متردد ہونا محض عدم اعتنا ہے۔ والسلام

صبح سہ شنبہ دہم ماہ صیام، سال غافر اہل اسلام

۱۰ رمضان ۱۲۸۱ھ مطابق، ۷۔ فروری ۱۸۶۵ء

مولوی ضیاء الدین خاں ضیا دہلوی

شمس العلما ایل ایل ڈی ایڈنبرا

(۱)

بخدمت والا صاحب معظم، مسلم علماء عرب و عجم مولوی ضیاء الدین خاں صاحب دہلوی نبیرہ نواب سابق بستی دارا پور۔

جناب مولوی صاحب،

میں نے ایام دبستان نشینی میں شرح ماتہ عامل تک پڑھا۔ بعد اسکے لہو ولعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و طرب میں منہمک ہو گیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا۔ ناگاہ ایک شخص ......[1] کہ ساسان پنجم کی نسل میں سے ہے۔ معہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن و صوفی صافی تھا۔ میرے شہر[2] میں وارد ہوا۔

---

[1] یہاں بھی۔ وارد ہوا تھا۔ مرقوم ہے لیکن ظاہر ہے کہ وارد ہوا کا اصل موقع آگے ہے اور تکرار غالباً رو میں دو مرتبہ اسے لکھ گئے۔ [2] یعنی آگرہ

اور لطائف فارسی بحث اور غوامض فارسی آمیختہ بہ عربی۔ اس سے میرے حالی ہوئے۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا۔ ذہن معوج نہ تھا۔ زبان دری سے پیوند ازلی اور استاد بے مبالغہ جاماسپ عہد اور بزرجمہر تھا۔ حقیقت اس زبان کی دل نشین و خاطر

نشان ہوگئی۔

اہل پارس جو قدم عالم کے قائل ہیں۔ وہ مثل ہنود کے آفرینش عالم کا آغاز و انجام و سرو بن نہیں بتاتے۔ ہمارے مذہب کے مطابق بھی کیومرث وغیرہم کو دو چار ہزار برس سے کم نہ گزرے ہوں گے۔ تالہ[1] اور نجوم اور طب اور رفقہ اور انشا[2] کون سا علم اور کون سا فن ہوگا جو اس گروہ میں نہ ہوگا۔ سکندر جب ایران پر مسلط ہوا تو ارسطو نے کتاب ماخانہ دارا سے بہت سے علوم یونانی زبان میں نقل کیے۔ انشاءاللہ گروہ کو دیکھیے جن کا کلام علم حکمت میں حکمائے یونان کا ماخذ ہوا۔ اگر بوعلی سینا قابوس[3] و شمگیر کے کتاب خانے سے کتب حکمائے یونانیہ لے کر مطالب حکمی زبان میں نقل نہ کرتا تو اکابر عرب میں سوائے مسائل فقہیہ شرعیہ، علم معقول کا نشان نہ پایا جاتا۔

دو تین ہزار برس قبل آج سے کہ عرب و عجم بے گانہ ہمدگر تھے۔ اہل پارس اپنے مطالب علم بلکہ علوم متنوعہ کو کس زبان میں شروع کیا کرتے تھے۔ اور تعلیم و تعلم سوال و جواب کا مدار کن الفاظ پر ہوگا۔ بے شبہ وہ الفاظ پارسی ہوں گے۔ جب خلیفہ ثانی[4] کے عہد میں یزدجرد[5] مارا گیا اور پارس پر اعراب مسلط ہوئے۔ درفش کاویانی کا جواہر آمیز چمڑہ پارہ پارہ ہو کر غازیان اسلام پر بٹ گیا۔ کتاب خانے پارس کے کیا بادشاہی اور کیا رعایا کے چولہے میں جھونکے گئے۔ یعنی ان سے حمام گرم ہوئے۔ جیسا کہ میں نے ایک جگہ اس واقعہ کو فارسی عبارت میں لکھا ہے۔ وہی خدا:

کتاب خانہ ہائے پارسیاں افزوزینہ گلخن گرما بہ ہائے بغداد شد، ہمانا احکام آتش پرستی ہم بہ آتش بازگشت[6]۔

اگر چہ بلاغت خاص اہل عرب کے حصے میں آئی۔ لیکن فصاحت میں اہل پارس بھی اعراب کے شریک ہیں۔ باجملہ اعیان عجم و بلغاے عرب میں امتزاج و اختلاط و مہر و محبت و قرب و روابط پیدا ہوئے۔ اختلاف مذہب اٹھ گیا تھا۔ اور ریاست و سیاست بہ صلاح و صواب دید فریقین ہونے لگے۔ طبیعتیں تھیں دراک۔ فارسی و عربی کو باہم ربط دے کر ایک اردو پیدا کیا۔ سبحان اللہ وہ زبان نکلی کہ نہ نری فارسی میں وہ مزا نہ، نہ نری عربی میں وہ ذوق۔ زبان فارسی کے قواعد کے کتب خاکستر ہو گئے تھے۔ اسمیں طرہ یہ کہ عربی کے قواعد کے بڑے بڑے جلیل القدر رسالے مرتب ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ بے چارہ فارسی زبان

۱؎ الہیات ۲؎ موسیقی ۳؎ امیر شمس المعالی قابوس وشمگیر خاندان زیاریہ کا مشہور بادشاہ جس کا مرکز جرجان تھا۔ یہ اہل علم کا مربی تھا۔ قابوس نامہ اس کی تصنیف ہے۔ یہ غلط ہے کہ بوعلی نے یونانی علوم عربی میں منتقل کیے۔ یہ علوم اس سے پیشتر ہو چکے تھے۔ ۴؎ حضرت فاروق اعظمؓ ۵؎۔۔۔۔۔۔ سامانی خاندان کا آخری بادشاہ جو حضرت عمرؓ نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مارا گیا تھا۔ ۶؎ میرزا کا یہ سارا بیان سراسر غیر محقق اور عام افسانوں پر مبنی ہے۔ عرب و ایران کی آویزش کے وقت بغداد کا وجود بھی نہ تھا۔ یہ شہر عباسی خاندان کی حکومت قائم ہونے کے بعد منصور نے آباد کیا۔

غریب الوطن، بے سروسامان نہ اس کی کوئی فرہنگ، نہ اس کے قوانین کا کوئی رسالہ، نہ علم پارسی کا کوئی عالم باقی۔ دو چار ہزار لغت و اسم و مثل زبان، زد اہل عصر ہوں گے۔ فارسی کا حرف کہاں۔ فارسی کا نمونہ کہاں؟ فارسی زبان اعراب کی لونڈی۔ جو چاہا نام رکھ دیا۔ ضوالنہار کہہ کر پکارا۔ شمس النہار کہہ کر یاد کیا اور لونڈی

چھوکری کہہ کر بلالیا۔ سو بھی جو اکابر فریقین موجد زبان اردو ہوئے تھے وہ تسمیہ قواعد پارسی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ۸۰۰ء ۹۰۰ھ میں ہوسناک لوگ فارسی کے فرہنگ لکھنے پر متوجہ ہوئے۔ نہ ایک نہ دو بلکہ ہزار در ہزار فرہنگیں فراہم ہوگئیں!۔ یہاں تک کہ قتیل نومسلم لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتب دار رام پوری اور کوئی روشن علی جونپوری اور کہاں تک کون کون، جس کے جی میں آئی وہ متصدی تحریر قواعد انشا ہوگیا۔ میں ان سب کو یا ان میں سے مختص فلاں و بہماں کو اپنا مطاع کیوں کر جانوں اور کس دلیل سے ان کے تحکم کو مانوں؟

پارسیان سابق جو جانتے نہ تھے کہ فاعل کس کو کہتے ہیں اور جمع کس مرض کا نام ہے۔ امر کا صیغہ کون جانور ہے اور اسم جامد کس قسم کے پتھر کو کہتے ہیں، انھوں نے کبھی نہ کہا ہوگا دانا و بینا صیغہ اسم فاعل اور نالاں و گریاں صیغہ فاعل یا حالیہ ہے۔ ایک جماعت نے کہہ دیا ہے کہ الف نون افادہ یعنی فاعلیت کرتا ہے۔ ایک صف پکار اٹھی۔ کہ الف نون حالیہ ہے۔ خدا جانے اہل پارس اپنی زبان میں صیغہ امر کو کیا کہتے ہوں گے اور الف فاعل ان کی لسان میں کون ہوگا۔ آخر یہ فن امور دینی میں سے تو نہیں ہے کہ جو امام اعظمؒ کے قول کو نہ مانے وہ مرتد ہے۔ قوت قیاس کا مادہ اوروں میں تھا، ہم کو مبداء سے یہ قوت عطا نہیں ہوئی۔ اور پھر الف نون حالیہ موجود ہے یا نہیں؟ سائل کا جواب وہیں تمام ہوا۔ یہاں تم سے فرمایا کہ سابقین افتاں و خیزاں کو الف نون حالیہ لکھ گئے۔ لاحقین نے کہا یہ الف نون فاعل کا ہے۔ خیر ایک تردد اگر پیدا ہوا تو تسمیہ میں پیدا ہوا۔ متاخرین کا قول متقدمین کے کلام کو ساسخ اور الف نون حالیہ کے وجود کے وجود کا مطبل تو نہیں ہوا۔ بہ ہر حال یہی لکھ دو کہ بعض

لوگ اس نوان کو فاعل کا الف نون بتاتے ہیں اور بعض الف نون حالیہ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر کاغذ استفتاء مع دستخط حضرات یا بے دستخط کل میرے پاس بھیج دیجئے۔

تھوڑی تقریر اگر چہ خارج از مبحث ہے۔لیکن اس واسطے وہ تقریر تحریر میں لاتا ہوں کہ پھر مجھے کچھ لکھنا نہ پڑے۔اہل پارس کے منطق میں رواں دواں مع نظائر کے بہت ہیں، کسی اسم کے ساتھ مختص نہیں۔اہل عرب نے، بلکہ تو بہ تو بہ ان کو کیوں متہم کروں۔فرہنگ نگاران ہند نے یہ نام موافق اپنے قیاس کے رکھے۔ہم افادہ معنی فاعلیت کے قیاس کو نہیں مانتے۔الف نون حالیہ کہنے والوں کی ہم نے مطابقت رائے کی ہے۔فارسی میں اسم فاعل دو صورت پر ہے یا گوبندہ یا گویا۔صیغہ ہائے امر کے مابعد جو الف نون ہے۔وہ حالیہ ہے، ہاں فعل کا ایک تو ہم سا گزرتا ہے سو اگر بہ امعان نظر دیکھیے تو ویسا ہی ایک وہم معقولیت کا بھی پایا جاتا ہے۔پس نظر اس بات پر کہ فاعلیت کی حالت اور مفعولیت کی حالت معا پائی جاتی ہے یہ الف نون حالیہ ہے اور اپنے وجود کے اثبات میں قواعد نحو عربیہ کا محتاج نہیں۔خاص ''افتادن'' میں دیکھو کہ نہ ''افتندہ'' مستعمل ہے۔

---

[1] یہ سراسر مبالغہ ہے

مثل گوئندہ، نہ افتادہ مسموع موجود ہے۔مثل گویا افتاں، صیغہ فاعل کہاں سے آ گیا، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ افتاں تو ہم اسم فاعل جب مانتے کہ افتادہ بیفت بہ معنی امر اہل زبان یعنی جو مالک ملکہ اردوے فارسی و عربی ہیں[1]۔ان کی نظم ونثر میں آیا ہوتا۔اصل مادہ، افتاں، جو افت، ہے موجود نہیں۔افتاں کہاں سے بہ معنی فاعل نکل آیا؟ مگر گونے کی حالت جس پر طاری ہو وہ افتاں ہے از روے حالت بہ

حسب فعل۔ ''میرندہ کہو مردن سے کیوں نہ بنایا؟ صیغہ فاعل متروک رہا۔ صرف صیغہ مفعول یعنی مردہ پر قناعت کی اور یہ جو قبلہ اہل سخن فردوسی طوسی علیہ الرحمتہ کے ہاں آیا ہے:

میمراں کسے داد ہرگز ممیر

مجاز ہے امر بھی اور تعدیہ بھی۔ متاخرین میں سے میرزا عبدالقادر بیدل کہتا ہے:

بہ میرائے سرکش ناپاک تاایک دم بیاسائی

بلکہ اردو میں بھی گراں جاں آدمی کو کہتے ہیں۔ اے فلاں کے فلاں مرچک، سودا کہتا ہے:

جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

یہ سب بطریق مجاز ہے۔ خلاصہ یہ کہ الف نون فاصل نہ فارسی بحث میں، نہ فارسی آمیختہ بہ عربی میں ہے۔ قیاس کو میں مانتا نہیں۔ الف نون جہاں اسماء جامد کے آگے ہے، جمع کا ہے۔ جہاں صیغہ ہائے امر کے آگے ہیں۔ حالیہ ہے۔ والسلام بہ الوف احترام۔

پہلا رقعہ بعد پڑھنے کے یا نقل لینے کے استفتاء کے کاغز کے ساتھ مجھ کو واپس مل جائے۔

نجات کا طالب، ظالب

(۲)

جناب مولوی صاحب،

کرم از شما کمی از ما۔ اچھوں کے ساتھ سب بھلا کرتے ہیں۔ بروں کے ساتھ نیکی کرنا جوانمردی ہے۔ اگر پاہج نہ ہوتا۔ فورا آپ کے پاس پہنچتا۔ اب متوقع ہوں کہ آج اس وقت اور وقت، مگر آج ہی تشریف لائیں اور ضرور تشریف لائیں۔ شام تک چشم براہ رہوں گا۔

۲۷۔ فروری ۱۸۶۶ء

عنایت کا طالب، غالب

قاضی محمد نورالدین حسین خاں

مخدوم ومکرم حضرت قاضی محمد نورالدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزا مجھ کو دیے۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کامل صاحب کی نثر جو آغاز میں ہے۔ اس کو بھی نہیں دیکھا۔ صرف آپ کی نثر کو دیکھا۔ اور اس کو موافق حکم آپ کے بعض جاہ درست کر دیا۔ بعض موقع پر منشاء، اصلاح لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی

---

۱ یعنی فارسی آمیختہ بہ عربی ۲ قاضی نورالدین حسین خاں مولف مخزن شعراء جو شاعروں کا تذکرہ ہے اس تذکرے کی تکمیل کے ایک عرصہ بعد مصنف نے ایک نسخہ بغرض اصلاح غالب کے پاس بھیجتا تھا۔

نثر میں دخل کروں۔ بہ فحوائے الامر فوق الادب حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا آفرین۔ بخدا خوب نثر لکھی ہے۔ اللہ سبحانہ آپ کو مدارج اعلیٰ کو پہنچا دے۔ اور سلامت رکھے۔

مرقومہ دوشنبہ ۱۴۔ جولائی ۱۸۶۲ء

خوشنودی احباب کا طالب غالب

محمد حسین خاں

اخبار دبدبہ سکندری، رام پور کے ایڈیٹر تھے

(۱)

مشفق مکرم محمد حسین اِخاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام پہنچے۔ اسد اللہ ہفتہ، دبدبہ سکندری، کے معائنے سے سرور اٹھاتا ہے۔ رام پور کے حالات پڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ دبدبہ سکندری میں، جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں۔ پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجئے اور علی الدوام اس کا التزام رہے۔ یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی جایا کرے اور وہ رباعی یہ ہے:

آں کیست کہ جسم **ملک** را جاں باشد؟
آں کیست کہ ہمسر سلیماں باشد؟
آں کیست کہ انجمش بہ فرماں باشد؟
کس نیست مگر کلب علی خاں باشد؟

اور ایک قطعہ اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمایش گاہ کا ذکر لکھو۔ اس عبارت کے خاتمے پر یہ قطعہ لکھ دو اور اگر یہ قطعہ نمایش گاہ کے ذکر کے بعد پہنچے تو اس کی اطلاع لکھ کر لکھ دینا۔ یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا۔

نمایش گہے در خور شان خویش
بر آراست نواب عالی جناب

به شب زہرہ و مہ قنادیل سقف
بطور پیشکارش به روز آفتاب
ز غالب چو پرسیده شد سال آں
چنیں گفت، آں رند خانہ خراب
ازاں جا کہ در بزم عیش و سرور
ز بخشش جہانے شدہ کامیاب
چو بینی نہایت ندارد، طرب
بگو سال آں بخشش بے حساب

بخشش بے حساب کے ۱۲۸۵ھ ہوتے ہیں۔ جب طرب کی بے کے عدد کو دور کر دیجیے تو ۱۲۸۳ھ ہوتے ہیں فقط مگر بھائی صاحب نواب صاحب سے بغیر اجازت لیے اور کہے ہرگز نہ چھاپنا۔

۱۱۔اپریل ۱۸۶۷ء

جواب کا طالب، غالب

۱؎ ایڈیٹر دبدبہ سکندری

---

(۲)

خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔ آگے میں نے ایک خط مع ایک قطعہ اور ایک رباعی کے بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر اس کو موافق میری خواہش کے چھاپ

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved

دیں گے۔

۲۵۔اپریل ۱۸۶۷ء راقم اسد اللہ خاں

(۳)

شفیق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسد اللہ خاں کا سلام، آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشین ہوئے ۔۷۲ کی عمر ہوئی۔ اگر سن تمیز چودہ برس رکھیے تو ساٹھ برس کے نیک و بد، سیاہ و سفید کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کما حقہ فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔ واللہ باللہ ثم تاللہ تمہارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آ گیا۔ آپ بھی اس کو یقین سمجھیے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانتا تو حقیقت لکھتا ہوں!

۵۔محرم ۱۲۸۴ھ (۱۰۔مئی ۱۸۶۷ء)

صوفی منیری

جلیل الدین حسین نام، ابو محمد کنیت عرف شاہ فرزند علی متخلص بہ صوفی۔ ولادت ۹ شوال ۱۳۵۳، ۶ جنوری ۲۸۳۸ء وفات ۶ ۔ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ ۲۵، فروری ۱۹۰۱، خانقاہ منیر کے سجادہ نشین تھے۔

زبدہ اولاد حضرت خیر الانام، قبلہ و کعبہ مجموع اہل سلام، حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابو الاباکے بوڑے غلام کو آپ نے اتنا کیوں شرمایا کہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے کافی تھا ان اشعار کا بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینا۔ میری مدح آپ کے غلاموں کو موجب ننگ و عار اور میرے آباو اجداد کو ذریعہ عز و افتخار۔ حکم بجالایا۔ دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی۔ کہیں مصرع کی جگہ مطلع لکھا گیا۔ بے عائلہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند۔ فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے۔ اکہتر برس کی عمر، پانو سے اپاہج، کانوں سے بہرا۔ دن رات پڑا رہتا ہوں۔ دو سطریں لکھیں۔ بدتھرایا، حرف سوجھنے سے رہا۔ قوتیں ساقط، حواس مختل، غذا قلیل بلکہ اقل:

---

۱ معلوم ہوتا ہے یہ خط چھاپنے والے نے پورا نقل نہیں کیا۔ آخر کا حصہ چھوڑ دیا۔ غالباً اس وجہ سے کہ اس میں کچھ باتیں ایسی ہوں گی جنھیں اس وقت شائع کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

ایام شباب میں کہ بحر طبع روانی پر تھا۔ جی میں آیا کہ غزوات صاحب ذوالفقار لکھنا چاہیے۔ حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی۔ ناچار اس آٹھ نو سو شعر کو چھپوا لیا۔ اغلاط برہان قاطع از روے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ قاطع برہان اس کا اسم اور درفش کا دیانی اس کا علم۔ ان دونوں رسالہ مطبوع کو ایک پارسل میں اور حضرت کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اس پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوا دیا توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روز درود یا دوسرے دن لکھی جائے۔

منشی نول کشور

منشی نولکشور ۱۸۳۲ء میں بستوئی (ضلع علی گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ پہلے وطن معیں تعلیم پائی۔ پھر تکمیل علوم کے لیے آگرہ چلے گئے۔

ان کے دادا منشی بال مکند ضلع آگرہ کے خزانچی تھے۔ والد منشی جمنا پرشاد تحصیلدار رہے۔ بڑے بھائی رائے مکھی لال سب جج تھے۔ منشی نولکشور کو ابتدا ہی سے اخبار نویسی کا شوق تھا۔ بھائی نے انھیں منشی ہرسکھ رائے مالک کوہ نور کے پاس لاہور بھیج دیا۔ منشی جی نے یہاں کچھ مدت گزاری۔ اخبار کو خاصی ترقی دی اور منشی ہرسکھ رائے ازالہ حیثیت عرفی۔ کے ایک مقدمے میں قید ہو گئے تو ان کی امداد میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۸۵۸ء میں وہ لکھنو چلے گئے۔ جہاں مطبع قائم کیا اور اودھ اخبار کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کر دیا۔ یہ اخبار کا نوے برس کے بعد ۱۹۵۰ء میں اس وقت بند ہوا۔ جب منشی جی کے وارثوں نے پوری جائداد تقسیم کر لی۔

منشی جی نے رفتہ رفتہ مطبع کو ترقی دی اور علوم و السنہ مشرقیہ کی بے شمار کتابیں چھاپیں۔ ان میں فارسی عربی۔ اردو سنسکرت کی کتابیں شامل ہیں۔ قرآن مجید کی طباعت کا انتظام کیا تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کر لیا جس میں مشینوں کے تمام کارکن وضو کام کرتے تھے۔ حفاظ کی ایک جماعت کے ذمے صحت کا انتظام تھا۔

پھر اس مطبع کی شاخیں کان پور، لاہور، اجمیر اور جبل پور میں قائم کیں۔

کاغذ کا ایک کارخانہ بھی جاری کیا۔ سیکڑوں بیواؤں ،یتیموں اور نادار طلبہ کے لیے وظائف کا انتظام کر دیا تھا۔ کئی شفاخانے بنوائے۔ آگرہ کالج کے لیے بیس ہزار کے خرچ اور نادار طلبہ کے لیے وظائف کا انتظام کر دیا تھا۔ کئی شفاخانے بنوائے، آگرہ کالج کے لیے بیس ہزار کے خرچ سے ایک ہوسٹل بنو ادیا۔ سرسید مرحوم کی تحریک پر علی گڑھ کے لیے دس ہزار نقد دیے اور بیس ہزار کی کتابیں پیش کیں اور بھی کئی خیراتی کاموں میں کشادہ دلی سے حصہ لیا۔ عربی، فارسی اور اردو کی جتنی کتابیں محفوظ ہو گئیں ان کے لیے سب سے بڑھ کر مستحق سپاس منشی نولکشور ہی ہیں۔ اردو کی بھی بے حد خدمت انجام دی کیونکہ مختلف علوم وفنون کی سیکڑوں فارسی او رعربی کتابوں کے ترجمے کرا کے انھیں چھاپا۔

اودھ اخبار ادیبوں کی ایک اہم ترین گاہ بن گیا۔ ۱۹۔ فروری ۱۸۹۵ء کو منشی صاحب نے انسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور عام روایت کے مطابق ایک کروڑ کی جائداد چھوڑی۔ جس میں غیر منقولہ جائیداد کا بھی خاصا بڑا حصہ تھا۔ ان کی ارتھی سپیشل ٹرین میں لکھنو سے کان پور لے گئے جہاں دریا کے کنارے آخری رسمیں منشی جی کے اکلوتے فرزند منشی پراگ نرائن بھارگو نے ادا کیں۔

منشی جی ایک مرتبہ دہلی گئے تھے تو میرزا غالب سے بھی ملاقات کی تھی۔

منشی صاحب جمیل المناقب جناب منشی نول اکشور صاحب کو دولت و اقبال و جاہ و جلال روز افزوں نصیب ہو۔ چونکہ احباب کامیابی و شادکامی سے شاد ہوتے ہیں۔ اس واسطے مجھے ان دنوں یاوری اقبال سے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے۔ آپ کی خوشی کے واسطے لکھتا ہوں۔ بلکہ نظر ہمدگر کے اتحاد پر تم کو تہنیت دیتا ہوں۔

آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہ گزشتہ کو جو حضرت فلک رفعت نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب دہلی میں تشریف لائے تو سہ شنبہ کے دن ۳۱۔ مارچ ۱۸۲۳ء کو اس گمنام گوشہ نشین کو یاد فرمایا اور از راہ بندہ پروری کمال عنایت سے خلعت عطا کیا۔ سبحان اللہ جو لوگ متعلق ہیں لفٹنٹ گورنر پنجاب سے۔ وہ قسمتوں کے کتنے اچھے ہیں۔ جناب نواب معلی القاب کے مکارم اخلاق وہ روح افزا کہ جس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ صاحب والا مناقب تامس ڈگلس فورسائتھ صاحب بہادر سکرتر کے کلمات شفقت آمیز وہ روح آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے۔ میں .....شاد ماں آیا۔ بلکہ بوڑھا۔ جوان آیا۔

سچ ہے۔

وزیرے چنیں ہر یارے چناں
جہاں چو نہ گیرو قرارے چناں

لفٹنٹ گورنر بہادر اور صاحب سکرتر بہادر کا کیا کہنا ہے۔ آفتاب و ماہتاب ہیں۔ پنڈت من پھول سنگھ[۲] میر منشی بھی دیانت و امانت و کارپردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں۔ یہ نہ مبالغہ ہے۔ نہ خوشامد ہے بیان واقعی ہے۔ شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا ہے۔ وہ لکھا ہے جو سچ اور واجبی ہے۔

دوام دولت سرکار انگریزی کا طالب
رنجور ناتواں اسد اللہ خاں غالب

۱؎ (Thomas Doughlas Forryth) (۱۸۲۷۔ ۱۸۸۶) انبالہ میں ڈپٹی کمشنر رہا، سقوط دہلی کے بعد ۲؎ مشہور نام پنڈت من پھول ہی تھا۔ سنگھ خدا جانے کیوں لکھا گیا۔

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عزیز الدین

عزیز الدین بدایونی ۔ثم دہلوی، بدایوں میں پیدا ہوئے مگر دہلی کو وطن ثانی بنالیا تھا۔ فاضل شخص تھے اور میرزا کے شاگرد۔ پہلے عزیز تخلص کرتے تھے۔ پھر صادق اختیار کرلیا۔ وفات ۱۶۔ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ ۲۵۔ نومبر ۱۸۹۲ء

صاحب،

کیسی صاحبز ادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو۔ جیسی آگے تھی؟ قاسم جان کی گلی۔ میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے[۱]۔ ہاں اگر آبادی ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں[۲] کی حویلی اسپتال ہے اور ضیاء الدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب ہوتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب علی ان انگلستان تشریف رکھتے ہے ں۔ ضیاء الدین خاں اور ان کے بھائی[۳] مع قبائل وعشائر لوہارو میں ہیں۔ لال کنوئیں کے محلے میں خاک اڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔ تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی۔ اس کے پاس لکھی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا۔ بیگم لاہور گئی ہوئی ہے۔ لکھمی کی دکان پر کتے لوٹتے ہیں۔ مولوی صدرالدین صاحب لاہور، ایزد بخش ہتر اب علی۔ ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ مہر کردی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور رمیاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں ساکن

دریبہ۔ ان کی مہریں ہو گئیں۔ محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہے۔ پوسٹ پیڈ اکثر تلف ہو جاتے ہیں چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ ان سے میرا اسلام نیاز کہیے اور خط نہ پہنچنے کی ان کو خبر پہنچائیے۔ ؎

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

غلام بسم اللہ

غلام بسم اللہ تاریخی نام تھا۔ اصل نام شاکر علی تھا۔ بسمل تخلص۔ میرزا کے شاگرد، میرٹھی مشہور تھے۔ پیدائش ۱۲۳۹ھ وفات ۱۸۲۴ء ۱۳۱۵ھ، ۱۸۹۷ء ، مفتی سلطان حسن خاں صدر الصدور سے تعلیم پائی۔ خط میں مصنف سے مراد یہی سلطان حسن خاں ہیں۔

۱؎ ظاہر ہے کہ یہ خط ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے کچھ ہی دیر بعد کا ہے۔ ۲؎ غلام حسین خاں مسرور بن فیض اللہ بیگ بن شرف الدولہ قاسم جان، میرزا غالب کے ہم زلف تھے۔ ۳؎ یعنی ضیاء الدین احمد خاں اور امین الدین احمد خاں والی لوہارو ۴؎ عزیز الدین، قاضی عبدالجمیل سے ملے ہوں گے اور سنا ہوگا کہ خط کا جواب نہیں آیا۔ میرزا نے بتا دیا کہ خط ملا ہی نہیں اور انھیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیجیے۔

منشی صاحب شفیق مکرم مظہر لطف و کرم منشی غلام بسم اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

صاحب یہ نیا ڈھنگ ہے شکایت کا۔ اگر تمہارے کلام میں اصلاح کم ہو تو کلام کی خوبی ہے۔ اس کو استاد کی سہل نگاری کیوں سمجھو؟ آپ کے منصف کی غزل میں اصلاح کم ہوتی ہے۔ پس ان کو چاہیے کہ خوش ہوں۔ نہ کہ مجھ سے گلہ کریں؟ سنیے حضرت، خط میں تداخل ابرا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا تو مجھ سے پچاس روپے لیے جاویں گے یا قید کا حکم ہوگا۔ آئندہ آپ خط جداگانہ بھیجیے۔ اس باب میں تاکید جانیے۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہ ہوگا۔

غالب

عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری

میرزا غالب کے شاگرد نام محمد ولایت علی خاں تھا۔ مرشد سے بیعت کی تو نام بدل کر عزیز اللہ شاہ رکھ لیا۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں پنج رقعہ ولایت کے نام سے مشہور فارسی نثر پنج رقعہ کا جواب لکھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نظم و نثر دونوں میں عمدہ دستگاہ تھی۔ ولادت ۶، صفر ۱۲۵۹ھ ۸۔ مارچ ۱۸۴۳ء، وفات ۱۳۔ محرم ۱۳۴۷ھ، ۲۔ جولائی ۱۹۲۸ء (تلامذہ غالب)

(۱)

خاں صاحب عنایت مظہر سلامت

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراق پنج رقعہ نظر افروز ہوئے۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعہ سابق کی تحریر سے لفظاً و رمعناً بڑھ کر ہے۔ اسمیں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے۔ ارادت خاں متخلص بہ واضح، عالمگیری سرداروں سے ایک شخص تھا مینا بازار اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ نوابی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ موجد سے مقلد بہتر نکلا یعنی تم نے خوب لکھا:

نقاش نقش ثانی، بہتر کشد ز اول

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے معرف ہوئے

ہیں۔متوقع ہوں یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص رکھو!

۱؎ اپنے خط میں کسی اور کا خط رکھ کر بھیجنا۔معلوم ہوتا ہے لوگ ڈاک کے خرچ سے بچنے کے لیے یہی کرنے لگے تھے یعنی ایک کے خط میں دوسرے بھی خط رکھ دیتے۔ لہذا حکومت کو سخت سزا تجویز کرنی پڑی۔۲؎ میرزا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جرمانہ ادا نہ کرے تو اسے قید کا حکم ہوگا۔لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آئی۔سزا کا مستوجب خط رکھنے والا ہوگا۔نہ کہ مکتوب الیہ،میرزا نے کیوں کہا کہ مجھ سے پچاس روپے جرمانہ لیا جائے گا؟ کہنا چاہیے تھا،مداخل کرنے والے پر یہ جرمانہ ہوگا۔

نجات کا طالب غالب

(۲)

سخن شناس نہ ای مشفقا خطا ایں جاست، یہ جملہ کہ یا میرا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔موجب ملال خاطر کیوں ہوا۔اس سے یہ مفہوم کیوں کر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا؟ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے یا نام سے.....عرف سے؟ میں نے تو اصلاح دی۔تم نے برا مانا۔ذہن تمہارا معوج ہے مگر کجی کی طرف جاتا ہے۔تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں۔پنج رقعہ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے۔اس قول کا باور نہ کروگے تو منشا اس کا وہی اعوجاج طبع ہوگا مع سوظن۔

نجات کا طالب، غالب

سید محمد زکریا خاں زکی دہلوی

میرزا غالب کے شاگرد وطن دہلی تھا اور اجداد امراء تھے۔ ان کے عہد میں جائداد بک گئی اور محکمہ تعلیم میں ملازمت پر مجبور ہوئے۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس بن گئے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ زروے شرافت نسبی ولیات حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں۔ آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس عمر میں علم و فضل میں وہ پایہ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کیے۔ بہ طریق سہل ممتنع کہے ہیں۔ اردو فصیح، عبارت سلیس۔ الفاظ نہایت سنجیدہ متین، حرف حرف شستہ و رفتہ، جو خوبیاں نظم میں چاہییں وہ سب موجود، مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا؟ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشیں ہوں۔ شہنشاہ

امیرزا کا ارشاد بالکل درست تھا۔ شاعر شعروں کے تعلق میں اپنے تخلص کی بنا پر معروف و متعارف ہوتا ہے نہ کہ اسم عرف کی بنا پر۔ اگر اس کا کوئی شعر اقتباساً، کہیں لکھا جائے تو تخلص بنانا چاہیے لیکن عزیز صاحب نے خدا جانے اس سے وہ مطلب کیوں کر نکال لیا۔ جس کا ذکر میرزا نے دوسرے خط میں کیا ہے، غالب کا نام زبان پر آتے ہی ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ شعر کس کا ہے۔ میرزا نوشہ یا اسد اللہ خاں لکھا جائے تو کون جانے گا؟ یہ دونوں خط نقوش کے مکاتیب نمبر سے لیے گئے ہیں

کہاں سے ہو گیا خیر آپ کی ارادت میرے لیے موجب سعادت ہے

جو صاحب شعر میں خودستائی کو برا جانتے ہیں کیا انھوں نے یجوز لشاعر مالا یجوز لغیرہ انہیں سنا ہے یا اساتذہ مستند الکمال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گزرا؟

اللہ اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے عالمگیری ۲ کہتا ہے:

چیست دانی بادہ گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

تین شعر، میں تین شاعروں کے بسبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں۔ باقی فائدہ کلام اہل سخن پر حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

بہ اقلیم معنی رسول امینم
سنائی و فردوسی از امتانم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے:

بہ ملک سخن آں خدائے قدیرم
کہ معنی یکے باشد از بندگانم

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے:

حوض کہ ترکہ مشرب الروح است
ناودانے ز پارگین من است

نا دان بہ معنی موری اور پارگین اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من شطحیات الشعراء۔

میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اس پر امراض متضادہ مزمنہ میں گرفتار قوی بالکل مضمحل، اٹھنا، بیٹھنا، لکھنا پڑھنا سب مشکل، احیانا اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے، معاف رہوں۔

والسلام مع الوف الاحترام فقط

۹۔جنوری ۱۸۶۸ء بروز چہار شنبہ

دعاے خیر کا طالب

فقیر غالب

---

۱ شاعر کے لیے جو کچھ جائز ہے وہ دوسرے کے لیے جائز نہیں ۲ شیدا کو عالمگیری نہیں شاہجہانی لکھنا چاہیے اور اس شعر پر باز پرس بھی شاہ جہاں ہی نے کی تھی، یہاں تک کہ شیدا کو مملکت سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا۔

(یہ خط نقوش کے مکاتیب نمبر سے ماخوذ ہے)

سند شاگردی

یہ سند سید محمد زکریا خاں زکی رضوی دہلوی ڈپٹی انسپکٹر مدارس نے اپنے دیوان مطبوعہ جون ۱۸۹۸ء کے ساتھ شائع کی۔

سبحان اللہ سرٹیفکیٹ لکھنے کا کس وقت میں اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جان چند روز کا مہمان ہوں۔ مہینا بھر سے غذا بالکل مفقود۔ صرف گوشت کے پانی پر ارہے کے پانی اٹھنا دشوار اگر اٹھوں تو دوران سر سے گر پڑوں۔ سید محمد زکریا خاں نسب میں سید امیر زادہ، عالی دودماں ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی۔ پھر بہ عوض جاگیر پنسن مقرر ہوئی۔ معہذا یہ شخص بہ زات خود نیک او رصاحب علم اور متواضع اور دانش مند اور نیک طینت اور رنگین طبع، معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں۔

اسد اللہ غالب

سید احمد حسین تمنا مرزا پوری

سید موصوف کے مفصل حالات نہ مل سکے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ لندن مشن سکول مرزا پور میں ہیڈ مولوی تھے۔ مرقع ادب۔ میں ان کا تخلص مینا بتایا گیا ہے اور نمونہ کلام میں وہی دو شعر پیش کیے ہیں۔ جو میرزا غالب کے مکتوب اول میں منقول ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہوتا۔ مولوی فرزند علی اخگر وکیل عدالت مرزا پور سے تمنا کے روابط گہرے تھے۔

تمنا کے دو رسالے بھی عزیز مکرم محمد عالم مختار حق (جھگیاں ناگرا۔ لاہور) نے دکھائے۔

۱۔ تفرید التوحید۔ مطبوعہ مطبع گلزار احمدی مراد آباد محرم ۱۳۰۴ جس میں بعض متصوفہ کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ تمام انبیاء اولیاء وحدت وجود کے قائل ہیں تمنا نے مستند علماء اور اہل تصوف کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ نہ وحدت وجود عقائد دینیہ میں سے اور نہ اس کے متعلق کوئی صریح بات صحابہ تابعین، قدما صوفیہ سے منقول ہے۔ صرف آٹھ صفحے کا رسالہ ہے۔ جو نعمتہ الہدی کے ساتھ شائع ہوا۔ اس میں تمنا نے اپنی کتاب برہان القدس کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲۔ اثبات العقل بالنقل، یہ دس صفحے کا رسالہ ہے مطبوعہ مطبع گلزار احمدی

ان رسالوں سے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔ اول احمد حسین تمنا عربی اور فارسی کے فاضل تھے۔ دینیات پر انھیں عبور حاصل تھا اور عقائد بھی خالص

اسلامی تھے۔ دوم ان کا تخلص تمنا ہی تھا۔ دونوں رسالوں میں نام کے ساتھ تمنا ہی درج ہے۔

۱؎ آجکل بابت مارچ ۱۹۵۱ء

---

(۱)

جان غالب:

کل تمہاری دونوں غزلیں بعد اصلاح ٹکٹ والے لفافے کے اندر رکھ کر بھجوا دی ہیں، مطلع تم نے میری زبان میں کہا ہے:

ادائے یوسفی ہے لوٹ قاتل کے لڑکپن پر
سواد دیدہ یعقوب کے دھبے ہیں دامن پر

اس زمین میں میری غزل ہے اور ناسخ کی بھی غزلیں میں نے دیکھی ہیں۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھی ہے۔ گردن کا قافیہ مجھے پسند آیا:

نزاکت ان کی وقت قتل مقتل میں یہ کہتی ہے
یہ اتنے خون ناحق جس سے اٹھیں، اس کی گردن پر

غرضیکہ ساری غزل بے مثل و لاجواب ہے۔ کیوں نہ ہو۔ ابھی تمہارا شباب ہے۔ زمین شعر کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اس غزل میں تو تم نے جوانی کا زور دکھایا ہے۔

قصیدے کا وعدہ نہیں کرتا۔ اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا تو لطف زیادہ آئے گا اور اگر نہ پہنچے گا تو محل شکایت نہ ہوگا۔۱؎

بندہ پرور میرا کلام کیا۔ نظم کیا نثر کیا اردو، کیا فارسی کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کی فکر تھی۔ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کر لیتے تھے۔ سو ان دوستوں کا زمانہ غدر میں گھر ہی لٹ گیا۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا پھر میں اپنا کلام نظم و نثر کہاں سے لاؤں؟

مولوی فرزند علی اخگر[1] کا کون مشتاق نہ ہوگا؟ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں۔ فقیر ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ آنکھیں ان کے حسن صورت سے روشن اور دل ان کے حسن سیرت سے مسرور ہو گیا۔

اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔[2] میں یوں ہی خدمت گزاری کو حاضر ہوں۔ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں۔ میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجئے گا۔

۱۳۔ جولائی ۱۸۶۷ء غالب

---

[1] مطلب غالبا یہ ہے کہ مکتوب الیہ نے غالب کا کوئی قصیدہ مانگا تھا۔

[2] ان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوا کہ مرزا پور میں وکیل عدالت تھے تلامذہ غالب وہ غالبا دہلی میں میرزا سے ملے تھے[3] بظاہر کوئی رقم بطور ہدیہ میرزا کی خدمت میں بھیجی گئی تھی۔

---

(۲)

بندہ پرور،

کل دوپہر کو آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی اخگر صاحب کا مہربانی نامہ مع غزل پہنچا۔ آج جواب آپ کو لکھتا ہوں۔ غزل میں نے دیکھ لی۔ سوائے ایک

دو جگہ کے کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ آج اس فن میں وہ یکتا ہیں۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ وہ بلا مبالغہ سراپا تصویر محبت ہیں۔ نظم تو نظم، انکی نثر کے فقرے بھی قیامت ہیں۔ اس دوبارہ عطیے اور یاوآوری کا احسان مانا۔ میری جانب سے قدر افزائی کا شکریہ ادا کر دیجیے گا کہ حضرت نے اس ہیچ میرزد ہیچ مداں کو قابل خطاب اور لائق جواب سمجھا۔ میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں۔ غزل دیکھی۔ الفاظ متین معانی بلند۔ بندش دل پسند۔ مضمون عمدہ۔ سوائے ایک دو جگہ غزل بھر میں ایک نقطے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ اصلاح کیا دیتا بجنسہ واپس کرتا ہوں۔

قبلہ حاجات میرا حال کیا پوچھتے ہیں۔ زندہ ہوں مگر مردے سے بدتر، جو حالت میری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے۔ اب تو اس سے بھی بدتر ہے۔ ۲ مرزا پور کیا آؤں۔ اب سوائے سفر آخرت کے نہ کسی سفر کی مجھ کو طاقت ہے۔ نہ جرات، جوان ہوتا تو دعاے صحت کا طلب گار ہوتا۔ بوڑھا ہوں تو دعاے مغفرت کا خواہاں ہوں:

دم واپسیں بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔ طبیعت میں وہ مزا اور سر میں وہ سودا کہاں؟ پچاس پچپن دن کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔ حواس کا بھی بقیہ میرے اس شعر کا مصداق ہے۔

مضمحل ہو گئے قوی غالب

اب عناصر ہیں اعتدال کہاں

جب تک زندہ ہوں نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہے۔

سانس میری زبان پر مذکر ہے۔ رند کا یہ مطلع:

سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلا دنے جاتے جاتے

میرے لیے سند نہیں۔

بندہ پرور! لکھنو اور دہلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پائیے گا۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر اہل لکھنو سے مونث کہیں تو میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مونث نہ کہوں گا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہیے۔

ا یہ بھی کسی رقم ہی کی طرف اشارہ ہے۔ ۲ دہلی میں ملاقات کی توثیق۔

کہیے، مگر جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہے گا۔ جفا کیا۔

چشم بد دور حضرت کی طبیعت نہایت اعلیٰ اور مناسب اس فن کے ہے۔ اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے!۔

مولوی نعمان احمد

مولوی، صاحب کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ مہوا۔ پر گنہ مہلوی سیتاپور (یو پی) کے تھے اور میرزا نے سرنامے پر تعلقہ دار لکھا ہے۔

(۱)

جاں برسر مکتوب تو از ذوق فشاندن
از عہدہ تحریر جوابم بدر آورد

ابر رحمت، سلامت یاوآوری کا شکر بجالاتا ہوں۔ کیوں اتنی میری تعریف کی، جو میں اپنے کو اس کے لائق نہیں پاتا۔ ہرگز میں ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت فی الباب یہ ہے کہ سخنوران گزشتہ کا طرز شناس اور ان کی نازک خیالیوں کا پیرو ہوں۔ مبدفیاض سے مجھ کو ان کی تقلید میں پایہ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرز جدید ہوں؟

اب یہاں ایک بات میں سچ کہتا ہوں آپ باور کریں۔ واللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے۔ نہ تملق خالصا اللہ آپ سچ ارشاد کریں بعض اشخاص جو جو اس روش پر چلتے ہیں۔ با آنکہ خوش رفتار نہیں۔ لیکن مجھ کو برا جانتے ہیں اور برا کہتے ہیں۔ یہ حق ناشناسی اور ناانصافی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ضرور لکھیے۔

جو قاطع برہان میں کہیں کہیں سہو طبعی واقعی تھا۔ ناچار اس کی ترمیم و تکمیل کے

واسطے اس نسخے میں کچھ بڑھایا اور ایک دیباچہ اور لکھا اور اس رسالے کا درفش کاویانی نام رکھا۔ کل ایک شنبہ ہے۔ پارسل ڈاک میں روانہ ہو نہیں سکتا۔ پرسوں دوشنبہ کو بھیجوں گا۔ اس کے سوا وہ پرسش جس کا خط میں وعدہ ہے اس کا منتظر اور جلد پہنچنے کا آرزومند ہوں [3]۔ اب کے خط کے عنوان پر جو خیال میں آئے گا وہ لکھوں گا اور معذور رہوں گا۔ آئندہ خانی نوابی یا جو اور الفاظ اسم مبارک کے ساتھ معمول ہوں۔ ان پر اطلاع پاؤں۔

شنبہ۔ ۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ

(لفافے پر یہ الفاظ مرقوم ہیں)

مقام میوا، پرگنہ مہولی، ضلع سیتاپور پہنچ کر فلک رفعت مکرم و معظم جناب نعمان احمد صاحب تعلقہ دار زاد مجدہ،

---

[1] یہ دونوں خط مجھے میر مہدی مجروح کے پوتے سید سبط حسن فاضل زیدی محلہ غریب آباد، نواب شاہ نے مرحمت فرمائے۔ ان کی اس عنایت کا ممنون ہوں [2] گویا اگرچہ ابتدا سخنوران گزشتہ کی پیروی سے ہوئی لیکن بفضل اللہ درجہ تحقیق و اجتہاد پر پہنچ گئے اور صاحب طرز جدید ہوئے۔

---

[3] بظاہر یہ پہلا خط ہے، مکتوب الیہ نے خود کوئی اہم اطلاع پہنچانے کا وعدہ کیا ہوگا جس کے آرزومند ہیں۔

کی خدمت میں مقبول ہو۔ پیڈ ضروری

جواب کا طالب غالب

(۲)

مولانا بالفضل اولانا!

فقیر میں جہاں اور عیب ہیں ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حکام سے بہ سبب ریاست خاندانی کے علاقے کے اکثر ملاقات رہتی ہے اور معاملات بھی آپڑے ہیں، کبھی خوشامد کسی کی نہیں کی۔ بھلا حضرت سے جھوٹ کیوں بولتا اور آپ کی خوشامد کیوں کرتا؟ ایسا عامہ بھی نہیں کہ واللہ باللہ کو تکیہ کلام جانتا ہوں۔ موحدہ کو اور واؤ کو قسمیہ جان کر از روے قسم لکھا تھا اور اب بھی از روے قسم کہتا ہوں کہ نثر کے اس شیوہ خاص میں اور مدعیوں سے آپ بہتر ہیں۔ آپ کو اپنا ہم فن اور ہم زبان سمجھ کر اپنا درد دل آپ کے سامنے کہا تھا۔ آپ نے غم خواری نہ کی بلکہ اور الٹا آپ سے ملول ہوئے۔ خیر یہ بھی میرے بخت کی برگشتگی تھی کہ حضرت کے ذہن نے میرے خلاف مقصود کی جہت انتقال کیا۔ برسوں سے خطوط فارسی لکھنے چھوڑ دیے۔ اب شاہزادہ بشیر الدین بہادر ٹیپو سلطان مغفور کے سوا کسی کو فارسی خط نہیں لکھتا اور یہ موافق انکے حکم کے ہیں اور وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔ بہتر برس کی عمر حواس مسلوب قوی مضمحل، بصارت میں ضعف، ہات میں رعشہ، نسیان مستولی، اے لو آپ کا خط آیا، پڑھا، جواب اور وقت پر حوالے کر کے خط مع سرانامہ رکھ چھوڑا۔ آج جو جواب لکھنے بیٹھا، خط نہیں ملتا نہ بکس میں، نہ کتابوں میں، نہ طاق میں، حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے میں جو کچھ یاد آ گیا۔ اس کا جواب لکھا۔

قران کے باب میں عرض یہ ہے کہ مشتری کا ایک برج اور درجہ دقیقہ میں برابر

ہوتا، قران السعدین، ہے اور یہ قرانات جزئیہ میں سے ہے اور اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ قران جب سلطنت موعود نہیں۔ اگر کسی بادشاہ کے ہنگام ولادت یہ قران آپڑا ہوگا۔ بہ شرط آنکہ برج طالع میں یا اوتا ثلثہ یا مائل اوتاد میں میں واقع ہوا کہ نظر اس کی طالع موعود پر ہو تو وہ افادہ صحت وعیش وعشرت کرتا ہے اور بس، وہ قرانات اور ہیں جو موجب تغیر اوضاع عالم وانتقال سلطنت ہوتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ قران تھا کہ زحل ومریخ سرطان میں فراہم ہوئے ہیں[3]۔ سراسر ہندوستان کی خاک اڑادی ہے[4]۔

قصہ مختصر، جو بادشاہ صاحب قران کہلاتا ہے۔ بہ اعتبار افراط جاہ وجلال وقوت جلال کہلاتا ہے۔ طالع ولادت میں قران السعدین واقع ہونا ضروری نہیں۔ "صاحب قران" مرادف شاہنشاہ، ہے۔ سو بھی صرف سلاطین تمریہ[5]۔ میں دو شخص صاحب قراں کہلاتے ہیں۔ امیر تمر اور شاہ جہاں۔ تتبع کلام اساتذہ سے معلوم ہوگا کہ خاقانی نے اپنے کو، صاحب قراں لکھا ہے۔ اسی طرح فقیر نے بھی لکھا ہے:

[1] یہ اشارہ ہے خط نمبر ا کے واللہ باللہ کی طرف [2] یعنی دوسرے وقت پر [3] یعنی اکٹھے ہوئے ہیں [4] یہ اشارہ غالباً ۱۸۵۷ء کے واقعہ کی طرف ہے۔ [5] تیموری بادشاہ

مزولر نویسند صاحب قرانم [1]

اور بیان مدت توقیع نویسی علت نہیں ہے۔ صاحب قرآن کہلانے کی ہفتظ

شنبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء

ازروے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

لفافے کا پتا یہ ہے اسد اللہ غالب ۱۲۷۸ غالب[2]

مہیوا، پرگنہ مہولی ضلع سیتاپور، بخدمت مخدوم ومکرم مولوی نعمان احمد صاحب زادہ مجدہ مقبول باداز اسد

(۳)

حضرت آپ کو اپنے حال پر متوجہ پا کر اور مائل تحقیق جان کر کل چار رسوار میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کیے ہیں:

۱۔اے دافع ہذیان، مصنف اسکے مولوی نجف علی، مجمع البحرین علم فارسی و عربی، سبب تالیف یہ کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے، قاطع برہان کے مطالب کے رد میں ایک کتاب لکھی۔محرق قاطع برہان، اسکا نام رکھا۔عبارت مہمل مقاصد پوچ، مولوی نجف علی نے منصفانہ اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا۔موسوم بہ دافع ہذیان'' فارسی قدیم کی طرز پر

۲۔دوسرا رسالہ، سوالات عبدالکریم'' یہ شخص طالب علم ساکن دہلی ہے۔

۳۔اس نسخہ کے خاتمے پر استفتاء ہے۔جس کو میں نے تیسرا سودا شمار کیا ہے۔

۴۔چوتھا لطائف غیبی یہ رسالہ زبان اردو میں ہے۔اس کا حال اس کے مشاہدے سے کھلے گا۔متوقع ہوں کہ اس پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا اور پارسل سے کئی دن پہلے ایک خط بھیجا ہے۔اس کے جواب کا بھی طلب گار ہوں۔

۱۹۔اکتوبر ۱۸۶۶ء اسداللہ بے دستگاہ

نظر بہ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے قصور معاف۔۱۲۔

(۴)

قبلہ! آج خیال آیا کہ نامہ مرقومہ ۳۱۔اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔ل اس میں میری بھیجی ہوئی کتابوں کی

پورا شعر ہے:

چہل	سال	معنی	نوشتم
سزد گر	نویسند	صاحب	قرانم

مطلب ہے کہ میں نے ادب میں اپنے رتبے کی رفعت کے اعتبار سے اپنے آپ کو صاحب قراں لکھا۔توقیع نویسی میں چالیس برس کی عمر گزارنا صاحب قراں کہلانے کی علت نہیں بلکہ محض اظہار واقعہ ہے۔۲ یہ مہر ہے جس پر ۱۲۸۷ تاریخ ثبت ہے۔یہ تاریخ بداہتہ غلط ہ غالبا ۱۲۷۸ کو غلطی سے ۱۲۸۷ لکھ دیا گیا۔غالب نے یہ مہر ۱۲۷۸ھ میں بنوائی ہوگی۔

رسید اور آپ کا عازم اکبر آباد ہونا مندرج تھا۔اکبر آباد کا ہنگامہ تمام ہوا۔ غالب ہے کہ آپ بھی اپنے دارلریاست کو پہنچ گئے ہون گے۔عجب ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا۔

للہ الحمد کہ اقبال نشانج، عالی دودمان مولوی سلطان احمد خاں کی نوید صحت از روے مکتوب معلوم ہوگئی ہے۔فقیر کی دعاے بے ریا ان کو پہنچے۔میں حسب الحکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں۔مگر طریق احوط یہ ہے کہ آپ کے خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں کہ فی الجملہ اس میں تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔

جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتے ہوں گے۔ اگر میرا گمان سچ ہے تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں۔ نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔ نامہ غالب بے ادب، تقصیر، معاف، جواب طلب

دوشنبہ ۱۷۔ دسمبر ۱۸۶۶ء

لفافے کا پتہ

ضلع سیتاپور، پرگنہ مہولی۔ مقام مہیوا۔ بہ والا خدمت مولوی صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان مولوی نعمان احمد خاں بہادر تعلقدار زاد مجدہ مقبول باد۔

اسد یک رنگ بے رنگ

سید بدرالدین احمد کاشف

سید بدرالدین احمد کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ فقیر مشہور تھے اور کاشف ان کا تخلص تھا۔ غالباً جے پور یا بھرت پور میں ملازم تھے ۔میرزا غالب کے ہم زلف نواب غلام حسین خاں مسرور نیز میرزا کے عزیز دوست حسین میرزا سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ دونوں کا ذکر مکاتیب میں آیا ہے۔مثلاً میرزا لکھتے ہیں:

''تمہارے بھائی غلام حسین خاں مرحوم کا بیٹا حیدر حسین خاں (محو) خدا ہی خدا ہے۔ جو بچے۔'' اس سے مراد عینی اور حقیقی برادری نہیں بلکہ ذاتی تعلق کی اخوت ہے۔

(۱)

مخدوم ومکرم جناب فقیر صاحب عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا اور مجھ کو کچھ آپ کا حال معلوم نہیں۔ بابو صاحب! خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں؟ ان کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں منشی ہر گوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اوتمہاری خیریت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔سو وہ بہت دنوں سے علی گڑھ میں ہیں۔اگرچہ خط ان کے آتے رہتے ہیں۔مگر ان کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں اور تم سے تو بعد ہی ہے۔پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں۔

۱۔بابو صاحب سے مراد جانی بانکے لال رند ہیں۔ جن کے داماد کی وفات کا ذکر اگلے خط میں ہے۔

بہ ہر حال مقصود اس تحریر سے یہ ہے کہ نواب میر علی تقی خاں صاحب آپ سے ملیں گے ۔ وہ بہت عالی خاندان ہے ۔نواب ذوالفقار علی خاں اور نواب اسد خاں۲ کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خاں کے بڑے دوست ہیں ۔اب یہ نوکری کی جستجو میں نکلے ہیں ۔آپ ان کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور راج کا حال سب ان پر ظاہر کریں اور رہال سرکار سے ان کو ملوا دیں اور بابو صاحب کو جو ان سے ملوایئے تو میرا خط جو آپ کے نام کا ہے ۔ جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجیے ۔کیا خوب ہو کہ یہ اس سرکار میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے ان کی رخصت بہ آئین شائستہ عمل میں آوے ۔نواب اسد خاں عالمگیر کے وزیر تھے اور فرخ سیر ان کا بٹھایا ہوا تھا۳۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خاں کو مار ڈالا تو ازروے کتب تواریخ ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم ہوگئی اور خود فرخ سیر پر کا گزری ۔قصہ کوتاہ ان کی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے اور جس قدر آپ ان کی بہبودی میں کوشش کریں گے ۔احسان مجھ پر ہوگا ۔زیادہ زیادہ،

۱۸۵۴ء اسداللہ

(۲)

حضرت مخدوم مکرم و معظم جناب فقیر صاحب برکاتہم ، بعد بندگی عرض کیا جاتا

ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا جی بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں ان سے برسر امتحان ہے۔ پروردگار ان کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے۔ علاقہ مساعدت روزگار کی وہ صورت، شدائد رنج سفر کی وہ حالت، ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سررشتہ خدا کے

---

[1] نواب اسد خاں کا اصل نام ابراہیم تھا۔ وہ عالمگیر اعظم کا وزیر اعظم اور خالو تھا۔ اس لیے کہ اس کی شادی ارجمند بانو بیگم ممتاز محل صاحبہ روضہ تاج کی حقیقی بہن سے ہوئی تھی اور اس کا فرزند اسماعیل ذوالفقار خاں عالمگیر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ دکن کی جنگوں میں ذوالفقار خاں نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ زنجی کا قلعہ کے ہاتھ سے سر ہوا تھا۔

شاہ عالم بہادر اول کی وفات پر اس کے بیٹوں میں تخت کے لیے جنگ ہوئی تو ذوالفقار خاں نے معز الدین جہاندار شاہ کا ساتھ دیا۔ وہی کامیاب ہوا۔ باقی تینوں بھائی یعنی رفیع القدر جہاں شاہ، خجستہ (والد محمد شاہ روشن اختر) رفیع الشان اور عظیم الشان مارے گئے۔ عظیم الشان کے فرزند فرخ سیر نے سادات بارہہ کی مدد سے جہاندار شاہ کے خلاف جنگ کی اور فتح پائی۔ بعد جلوس ذوالفقار خاں کو قتل کرا دیا۔ اسد خاں نے چار پانچ برس کے بعد وفات پائی مورخین اسے خاتم الامرا لکھتے ہیں۔ بیٹے کے قتل کی تاریخ خود کہی تھی:

ہاتف شام غریباں با دو چشم خونفشاں
گفت ابراہیم ، اسماعیل را قرباں نمود

اسی ذولفقار خاں کی مدح میں ناصر علی سرہندی نے کہا تھا:

اے شان حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کار ذولفقار

---

۲ مطلب یہ ہے کہ فرخ سیر دہلی پہنچا تھا تو اسد خاں نے اس کی حمایت کی تھی۔ اس لیے کہ جہاندار شاہ کے اوضاع سے اسد خاں کو سخت اختلاف تھا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فرخ سیر کو اسد خاں نے تخت دلوایا تھا۔

ہاتھ ہے۔ آدمی کیا کرے۔ دل پر جو میرے گزری وہ میرا دل جانتا ہے۔ ہاں بحسب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں تو کس پتے پر لکھوں؟ ناچار ابھی تامل ہے۔ جب وہ بھرت پور آ جائیں تو آپ ان کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیے گا کچھ لکھ کو بھیجوں گا۔

نواب علی نقی خاں صاحب کے خط کے جواب میں۔ جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا۔ وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب آ جائیں گے۔ میں ان کو سمجھا دوں گا۔

آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعہ کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں۔ سو وہ یا تمہارے دوست حسین میرزا صاحب کے پاس ہوں گے یا ضیاء الدین خاں صاحب کے پاس، میرے پاس کہاں؟ آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ وہاں سے دیوان منگوا کر نقل اتروا کر بھیج دوں، سید محمد صاحب کو اور ان کے دونوں بھائیوں کو میری دعا پہنچے۔

نگاشتہ ۴۔ شنبہ ۱۳۔ ربیع الثانی ۱۲۷۱

مطابق ۳۔ جنوری ۱۸۵۵ء اسد اللہ

(۳)

حضرت،

آپ کے خط کے جواب لکھنے میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا میاں کے آنے کا۔ اب جو وہ مجھ سے مل گئے اور ان کی زبانی سارا حال سن لیا تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سنو صاحب ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں۔ یہاں تو سا تا روہن ا ہے۔ محمد تقی ایک، اس کی دو بہنیں تین، منشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور چار بیٹا چار، یہ سات مدعی ،ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی ہے۔ نہ وہ حکام ہیں جن کو میں جانتا تھا۔ نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی۔ نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگِ روزگار کا تماشا دیکھ رہا ہوں، یا حافظ یا حفیظ ورد زبان ہے۔ تمہارے بھائی غلام حسین خاں مرحوم کا بیٹا۔ حیدر حسن خاں، خدا ہی خدا ہے جو بچے آج تیرھواں دن ہے کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے۔ نہ دست بند ہوتے ہیں۔ نہ قے موقوف ہوتی ہے۔ چارپائی کاٹ دی ہے۔ حواس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کام تمام ہے۔ والسلام والاکرام

مرقومہ ۲۴۔ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ۔ ۱۳مئی ۱۸۶۳ عافیت

طالب، غالب

سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت واقبال تو امان،

مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمت گزاری سے فارغ نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں صورت مقدمہ عجیب وغریب ہے۔یہ

لے سات بھیڑوں کا مجموعہ کنایۃً بہت سے آدمی جو مل کر ایک شخص کی ایذا رسانی پر تل جائیں۔

بہنیں اور ان کے بھائی باہم موافق رہیں گے تو کوئی صورت نکل آئے گی۔ صامت وناطق، سیم وزر، روپیہ اشرفی سنتا ہوں کہ کچھ نہیں۔ہاں جاہ او، سو سید کے اظہار سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرایہ اس کا تقسیم ہو جائے گا۔ میں رائے کیا دوں اور سمجھاؤں کیا؟ کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میاں بھی بیٹھا تھا۔ باہم ان دونوں صاحبوں میں یہی باتیں ہورہی تھیں۔ وہ بھی میری مانند حیرت زدہ تھے۔قضاوقدر پر چھوڑو۔ نیرنگ تقدیر کے تماشائی رہو۔ گھاٹا نہیں۔ٹوٹا نہیں، نقد مال کا پتا نہیں۔ املاک کرایہ بٹ رہے گا۔گھبراتے کیوں ہو؟ یہ دلی والوں کی خفقانیت کے حالات ہیں۔

تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسن خاں بچ گیا، عوارض کی آندھی دفع ہوگئی۔توقع زیست کی قوی ہے۔صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔صدمہ بڑا اٹھایا ہے۔ مہینے بھر میں جیسے تھے۔ویسے ہی ہو جائیں گے۔ان شاءاللہ العلی العظیم۔

صبح دوشنبہ ۲۵۔ مئی ۱۸۶۳ء

(۵)

پیر و مرشد،

آج نواں دن ہے حسین مرزا صاحب کو الور گئے۔ اگر ہوتے تو ان سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا اور حاشیے اس پر کس نے چڑھائے۔ خدا جانے حسین مرزا نے کیا کہا اور حضرت کیا سمجھے۔ اب یہ حقیقت مجھ سے سنیے۔ ۱۸۶۲ء یعنی سال گزشتہ میں قاطع برہان، چھی پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ آپ دلی آئے ہیں۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے۔ تمہیں نہ دی۔ تم مانگتے اور میں نہ دیتا۔ تو گنہ گار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان، اگر ریختہ کا منتخب کہتے تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کان پور دو جگہ چھاپا گیا اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہوا۔ جب چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال سال گزشتہ میں منشی نو لکشور نے شہاب الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی، جو ضیاء الدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا، وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا۔ وہ پچاس جزو ہیں۔ یعنی کوئی مصرع میرا اور اس سے خارج نہیں۔ اب سنا ہے کہ ہو چھپ کر تمام ہو گیا ہے۔ روپے کی فکر میں ہوں۔ ہاتھ آ جائے تو پینسٹھ بھیج کر جلدیں منگوا ؤں۔ جب جلدیں آ جائیں گی ایک آپ کو بھیج دوں گا۔ نواب محی الدین خاں صاحب کا حال سن کر جی بہت خوش ہوا، میری طرف سے سلام و نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

ہرگوبند سہائے

پیدائش کول (علی گڑھ) ۱۸۲۸ء، وفات ۳۔ مئی ۱۸۹۱ء۔ پہلے دہلی میں صدر امین رہے۔ پھر گوالیار میں میر منشی مقرر ہوئے۔ بعد ازاں عدالت دیوانی میں نائب سرشتہ دار، پھر وکیل ۱۸۶۲ء میونسپل کمشنر

۱ عرف بڈھے صاحب جن کا حال دوسری جگہ مرقوم ہے۔

آگرہ ۱۸۶۸ ریاست کوٹہ میں جج (۱۸۷۵) آخر طبیعت پر مذہب کا ذوق چھا گیا۔ دریائے گنگا کے کنارے ایک دھرم شالہ کی تعمیر کرائی اور ایک بہت بڑا ایگیہ کیا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے چند کتابیں بھی تصنیف کیں۔

(۱)

برخوردار بہت دن ہوئے میں نے تم کو خط لکھا ہے۔ اب اس خط کا جواب ضرور لکھو اور جلد لکھو۔ دو سوال ہیں تم سے۔ ایک تو یہ کہاں مشہور رہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر الہ آباد سے کانپور آ گئے۔ کوئی کہتا ہے آویں گے۔ اس کا حال جو کچھ تم کو معلوم ہو، لکھو، دوسرا سوال یہ ہے کہ دو قسم کی انگریزی شراب، ایک تو کاس ٹیلن ۱ اور ایک اولڈ ٹام ۲۔ یہ میں ہمیشہ پیار کرتا تھا اور یہ دونوں قسم بیس روپے۔ حد چوبیس روپے درجن آتی تھی۔ اب یہاں پہلے تو نظر نہیں آتی تھی۔ اب پچاس روپے اور ساٹھ روپے درجن آتی ہے۔ وہاں تم دریافت کرو کہ اس کا نرخ کیا ہے۔

اور یہ بھی معلوم کرو کہ بطریق ڈاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ دونوں امر دریافت کر کے مجھ کو جلد لکھو۔ اگر بہ قیمت مناسب ہاتھ آئے اور اس کا بھیجنا ممکن ہو تو یہاں سے روپے کی ہنڈوی بھیج دوں اور تم خرید کر بیل گاڑی کی ڈاک پر روانہ کر دو۔ جاڑوں میں مجھ کو بہت تکلیف ہے اور یہ گڑ چھال کی شراب میں نہیں پیتا۔ یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت[۳] ہے۔ ضروری جواب طلب،

چہار شنبہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۵۹ء از غالب جاں بلب

(۲)

صاحب، تم کو دعا کہتا ہوں اور دعا دیتا بھی ہوں۔ شراب کی قیمت کے دو خط بھیجے۔ بھائی، کاس ٹیلن اور اولڈ عام دونوں چوبیس روپے درجن ہمیشہ لیا کرتا تھا۔ اب یہاں مہنگی ملتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا۔ جب وہاں بھی اس قیمت کو ملتی ہے تو میرا مقدور نہیں۔ میں سمجھا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو۔ خیر اس کو جانے دو۔ روٹی ہی ملے جائے تو غنیمت ہے۔ مہینے بھر کی روٹی کا مول ایک درجن کی قیمت ہے۔

جنوری ۱۸۶۰ء

---

۱ کیسٹیل (ہسپانیہ) کی شراب کا نام ہے۔ ۲ وسکی کی ایک قسم ۳ گڑ چھال کی شراب سے مراد دیسی شراب ہے۔ اس کی مذمت غالب نے کئی جگہ کی ہے۔ مثلاً

غالب شراب قندی ہندم دماغ سوخت
زاں بعد بادہ ہائے گوارا کشیدہ باد

نیز پنجاب کی فتح کے بعد ہارڈنگ کے قصیدے میں کہتے ہیں:

کنوں کہ ملک مطیع است ، و راہ بے خس و خار
ز من بگو بہ فردشند گان بادہ ناب
شراب قندی ہندوستان و ماغم سوخت
ز شیرہ کشمیر آورند شراب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شاہ کرامت حسین ہمدانی بہاری

(۱)

شاہ صاحب کو غالب ناتواں کا سلام پہنچے۔صوفیوں کی اصطلاح میں محاورت و مسامرت اور مرتبے ہیں جو کاملین اور عرفا کو حاصل ہوتے ہیں۔میر اشعر پڑھو۔

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

مطلب یہ ہے کہ شاہد حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن سے بات چیت نہیں ہوسکتی ۔ بلکہ اس کے لیے دہان زخم پیدا کرنا چاہیے۔یعنی جب تک دل تیغ عشق سے مجروح نہ ہو۔یہ مرتبہ حاصل نہ ہوسکتا۔

شاہد حقیقی کا جو معاملہ عشاق کے ساتھ ہے۔اس کو تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ سحابی رباعی میں لکھتا ہے:

اے زاہد و عاشق ا زتو در نالہ و آہ
دور تو وہ نزدیک تو در حال تباہ
کس نیست کہ جاں از تو سلامت ببرو
آں را بہ تغافل کشی ، ایں را بہ نگاہ

اب میر اشعر سنو:

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ

کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے تغافل سے تنگ آ کر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگاہ ہوئے تھے۔ جب اس نے توجہ کی تو ایک نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔

۱۳۔ دسمبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب، غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

شاہ صاحب،

میری ایک رباعی سنو:

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرسش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا
کیوں کر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

یہ رباعی عاشقانہ ہے۔ مگر مضمون بالکل نیا ہے۔ باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں۔

اعبد و معبود کے درمیان مکالمت

دوسری رباعی سنو:

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے ۔ اللہ اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

دیکھو، تم نے ایسی شوخی کہیں نہیں دیکھی ہوگی۔ یہ بالکل نئی ہے اور میرا حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہر چند دربار کے بااختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ مگر وہ ہماری کارروائی میں درنگ ولیت ولعل کرتے ہیں۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں۔ آؤ خدا ہی سے کہیں۔ پھر دل میں خیال آتا ہے۔ کہ اللہ اللہ کرو۔ وہ

تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہے ں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ شام کو صبح کرنا اور صبح کو شام کرنا خدا کا کام ہے۔ تو خدا کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ زیادہ والدعا

۲۲۔ فروری ۱۸۶۴ء

نجات کا طالب، غالب

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

صفیر بلگرامی

سید فرزند احمد بن سید عبدالحی عرف میر سید احمد حسینی واسطی سید، بلگرامی ثم آردی (کواتھ نزد آرہ، بہار) ۲۸۔ ذی قعدہ ۱۲۴۹، ۹۔ اپریل ۱۸۳۴ وفات ۲۱ رمضان ۔ ۱۳۰۷، ۱۱ مئی، ۱۸۹۰ حضرت صاحب، عالم مارہروی کے نواسے تھے۔ پٹنہ میں انتقال ہوا۔ آرہ میں دفن ہوئے۔ ان کا تذکرہ جلوہ خفیر نیز بوستان خیال کا اردو ترجمہ دس جلد میں۔ بہت مشہور ہے۔ صفیر ایک مرتبہ میرزا سے ملاقات کے لیے دہلی بھی آئے تھے۔

(۱)

مولوی سید فرزند احمد صفیر کو اس پیر ہفتاد رسالہ کی دعا پہنچے۔ آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ سترھواں برس مجھے جاتا ہے۔ ہائے:

سنین عمر کے ستر ہوئے شمار برس
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس!

نامہ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور، دل میں سرور آیا اور رقصہ سرِ ش سخن اس کے دوسرے دن پہنچا۔ قصہ دیکھا۔

۱؎ اس کے جواب میں صفیر نے لکھا تھا:

سنا، صفیر، یہ کہتے ہیں حضرت غالب
بہت جیوں تو جیوں اور پانچ چار برس

مگر یہ پہلے سے امداد غیبن کی ہے دعا
خدا کرے مرا غالب جیے ہزار برس

آپ کے جوہر طبع کی لمعانی اور فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگر چہ وہ قصہ تو بچوں کے سلانے کی کہانی ہے۔ مگر محنت کی گئی ہے۔ ہاں اگر، فسانہ عجائب کا مقابلہ کیا ہے۔ تو کیا کیا ہے؟ ابھی دیکھتا ہوں آیندہ اس کی اطلاع دی جاے گی۔ اس میں جا بجا لاچار دیکھا ہے۔ لا کا لگانا کاتب کی جہالت ہے۔ ہاے خدا کی مار کاتبان نا ہنجار پر۔ یہ میرا دیوان اور پنج آہنگ اور مہر نیمروز ستیاناس کر کے چھوڑ دیا۔

لو، بس اب میں نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بٹھا رکھا اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں۔

۲۸۔ نومبر ۱۸۶۳ء انجات کا طالب غالب

(۲)

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔ مجھ کو حضرت برجیس قدر جناب حضرت صاحب عالم سے نسبت اویسی ہے۔ غائبان خاص کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرز نگارش نظما اور نثرا درخشندگی جوہر طبع سے خبر دیتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجا لاؤں، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری

معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں۔ مجموع ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائیں؟ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے اس کو عرض کرتا ہوں:[3]

۱۔ بسر در آوردن مخل معنی۔ در آوردن کافی

۲۔ شور و رسر انگیختن ٹکسال باہر، از سر انگیختن مناسب۔

۳۔ نہ برانگیز نہ برخیز و فارسی ہند۔ برخیز و ننگیز و فارسی عجم۔

۴۔ نالہ ہا کہ از دل سر بر زدہ اند، یعنی چہ؟ غیر ذی الروح بلکہ غیر ذی العقول کی جمع کی خبر بہ صیغہ مفرد اسم ہے

۵۔ پریستان، اصل لغت، مخفف اس کا پرستان، پری استقان تو ہم محض، مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعراء رودکی سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں تک کس کے کلام میں پریستان یا پرستان دیکھا نہیں۔

حضرت صاحب[4] قبلہ کی جناب میں میرا سلام عرض کیجئے اور کہیے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اسکے چودھری صاحب[5] کا مودت نامہ پہنچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب نہیں تھیں۔ کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل[6]۔ جس کا عنوان

۱۔ یہ تاریخ میرے نزدیک غلط ہے۔ ۱۸۶۳ء کی جگہ ۱۸۶۴ء چاہیے۔ ورنہ غالب کی عمر ستر برس کی نہیں بنتی۔ حالانکہ صاف کہتے ہیں۔ میں نے حساب کیا یہ سترھواں برس ہے۔ ۲۔ نسبت اویسی سے مراد یہ ہے کہ دیکھا نہیں مگر عقیدت ہے۔ ۳۔ میں نے غالب کی تصحیحات پر نمبر لگا دیے ہیں تا کہ ان کے سمجھنے میں وقت پیش نہ آئے۔ ۴۔ صاحب عالم مارہروی ۵۔ چودھری عبد الغفور مارہروی ۶۔ یہ غالبا میرزا کی مثنوی ابر گہر

بارتھی۔ جس کی مدح صفیر نے ایک مثنوی لکھی۔

سید فرزند احمد کے نام کا ہے۔ ارسال کیا ہے۔ اپ بھی بہ نظر مشاہد کیجئے گا۔ ہاں پیرو مرشد فارسی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟ بہ قول انشاء اللہ خاں یہ میری عمر بھر کی پونجی ہے۔"

جناب سید فرزند احمد سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مقبول عالم کو میرا سلام کہیے گا اور جناب چودھری عبدالغفور کو سلام کہہ کر یہ فرمایئے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمت تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمت اصلاح کا دست مزد ہے۔ والسلام

یوم الخمیس ذی الحجہ ۱۲، مئی سال حال

نجات کا طالب غالب (۱۲ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ۔ ۱۲ مئی ۱۸۶۴ء

(۳)

مخدوم زادہ مرتضوی دودمان، سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے میں نے استصلاح اشعار میں امتثال امر کیا ہے تو اس واقعے کو یوں سمجھ لیا جائے کہ میں امیر المومنین کا بوڑھا غلام ہوں۔ امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر۔ ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں؟ اپنے نانا کی خدمت میں فقیر کی بندگی عرض کیجئے گا۔ اگرچہ حضرت میر ہمعصر ہیں۔ مگر ان کے ابوالآبا کا غلام ہو کر سلام کیا

لکھوں؟ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنی نسبت میں چاہیے۔

(یوم الخمیس پنجم ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ ۲)

نجات کا طالب، غالب

(۴)

نور چشم، لخت جگر، زبدہ اولاد پیغمبر، حضرت مولوی سید فرزند احمد زادہ مجدہ، اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائیں۔ بوستان خیال کے ترجے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک، حضرت، یہ آپ کا احسان عظیم ہے، مجھ پر خصوصا اور بالغ نظران ہند پر عموما۔

---

۱ سفیر نے ایک غزل بھی بہ غرض اصلاح بھیجی تھی۔ جس کے دو شعروں میں میرزا نے اصلاح دی۔

خیال روے تو اے قبلہ نظر کردم
ز دیدنت نظر خویش بہرہ در کردم
بلند شد شب ہجراں چو شعلہ و آہم
چراغ ماہ خمش گشتہ بود، بر کردم

پہلے شعر میں میرزا نے تو اے کی جگہ ترا بنا دیا۔ دوسرے شعر کا آخری مصرع یوں بدل دیا۔ چراغ مہ بہ فلک مردہ بود بر کردم ۲ تاریخ یقیناً غلط ہے۔ پہلا خط ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کا تھا اور یہ ۱۹ یا ۲۶ ذی الحجہ کا ہونا چاہیے۔ اس خط کے ساتھ میرزا نے

اس مثنوی کے بعض شعر درست کیے تھے۔ جو صفیر نے ابر گہر بار، کی ستایش میں لکھ کر بھیجی تھی۔ نیز ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ کا آغاز جمعہ سے ہوا تھا۔ اس کے یوم الخمیس کو ۵۔ تاریخ کیوں کر ہو سکتی تھی۔

جناب میر ولایت علی صاحب سے بعد ارسال قیمت و محصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا کرے وہ یہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد،

۸۔ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ غالب

(۴۔ اپریل ۱۸۶۵ء)

(۵)

بہ علاقہ مہر و محبت، نور چشم، سرور دل اور بہ رعایت سیادت مخدوم مولوی سید فرزند احمد صفیر طول اللہ العمرہ، اشعار گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ سب اچھے ہیں، مگر جو میرے دل میں اتر گئے ہیں وہ تم کو لکھتا ہوں:

ہائے وہ لب ہلا کر رہ جانا
ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

ورق نہیں جو شش مضمون گریہ سے بادل
بسان ژالہ ہے ہر نقطہ کتاب میں آب

کبھی ہوں گرم کبھی سرد، حسب موقع و وقت
صفیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

عارفانہ اور موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ:

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و لطف طبع روز افزوں

۱۵۔زی قعدہ ۱۲۸۱ھ

نجات کا طالب غالب

مطابق ۲۱،اپریل ۱۸۶۵ء

(۶)

بہ علاقہ مہر و محبت نور چشم و سرور دل و بہ رعایت سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید فرزند احمد طال بقادہ، زادہ علاوہ اس مصرع سے میرا کنون خبر دریافت فرمائیں:

بندہ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

یارب وہ کون بزرگ ہیں کہ سوانحی کو معمائی سمجھتے ہیں؟ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ، معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں۔ وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے ہیں اور نظم فقیر کی ہے۔ یہ کلام، نہ بہ طریق کسر نفسی ہے۔ نہ بسبیل اغراق، سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔

اس نامہ مہر افزا کو دیکھ کر مبادی پرستان خیال کی عبارت یاد آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت آئے آپ نے نہیں سنے تھے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں۔ محمد رضا کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ

خط میں لکھے جائیں اور کتاب جس کا نام افق الخیال ہے اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید ہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو۔ بے طلب بھیج دیں اور مع قیمت لکھ بھیجیں۔

---

[1] میر ولایت علی اس مطبع کے منتظم تھے۔ جس میں بوستان خیال کا ترجمہ چھپا تھا۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

لطیف احمد بلگرامی

میاں لطیف،

مزاج شریف غالب گوشہ نشین کی دعا۔ تمہارا مسودہ آیا۔ کمتر جگہ اصلاح کی پائی۔ روش تحریر بھی مجھے پسند آئی۔ دل خوش ہوا۔ لیکن:

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین ﷺ و مدیح کے و جم را

سید ابن حسن خاں صاحب وہاں موجود، میں یہاں محض بے وجود، وہ تو میرے نزدیک علامہ اور جوان ہیں۔ میں ان کے نزدیک ایک مشت استخواں ہوں۔ وہ بھی بوسیدہ اور ناتواں، اگر خاں صاحب وارستہ مزاج ہیں تو سید غلام حسنین قدرسی۔ وہ تو میرے نزدیک قدردان بھی ہیں اور شاگرد بھی ہیں۔ اگر کچھ بھی اپنے دل و دماغ میں قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلاد ریغ نہ کرتا۔ کیا لکھوں اور کیا کہوں؟ نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔ ہاتھ میں رعشہ طاری ہے۔ کان سماعت سے عاری ہے:

عتاب عروساں در آمد بجوش
صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فخر ایجاد تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرجائے۔ غالب نیم مردہ و نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی

موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

اگر جوان ہوتا اور بیمار تو آپ سے دعاے خیریت چاہتا۔ اسی برس کا بڈھا ہونے آیا ہوں۔ دعاے مغفرت کا امیدوار ہوں۔ شراب کمبخت اب بھی چھوٹتی نہیں۔ نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

نجات کا طالب، غالب

حکیم غلام مرتضیٰ خاں

یہ اور حکیم غلام رضا خاں (جنھیں ایک جگہ افسر الاطباء اشر الحکماء مسیح وقت اور فلاطون دہر لکھا گیا ہے) شریف خانی حکیموں کے خاندان سے تھے۔ حکیم غلام مرتضیٰ پٹیالہ میں ملازم تھے۔ جیسا کہ ان کے نام خط سے ظاہر ہے۔ حکیم غلام رضا خاں کو غالب نے اردوے معلّٰی کے حقوق دے دیے تھے وہ اکمل المطابع کے مالک تھے، جہاں اردوے معلّٰی کی طباعت پہلی مرتبہ ہوئی۔

خاں صاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب، دردمند کا سلام خوب یاد کیجئے کہ میں نے کبھی کسی امر میں آپ کو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک طرح کی عنایت کا سائل ہوں۔ حامل ہذا المکتوب پنڈت جےنرائن میرا خط لیکر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے بزرگ نواب احمد بخش خاں کی سرکار میں مناصب عالیہ اور عہدہ ہاے جلیلہ رکھتے تھے۔ اب موقع یہ آیا ہے کہ جستجو سے نوکری میں پٹیالہ آتے ہیں۔ آپ میرے سر کی قسم، جہاں تک ہو سکے سعی کر کے، ان کو موافق ان کی عزت کے کوئی منصب دلوادو گے تو میں یہ جانوں گا کہ تم نے مجھ کو نوکر رکھوا دیا ہے۔ بڑا احسان مند ہوں گا۔

۱۳۔ شوال ۱۲۸۱ھ

نجات کا طالب، غالب

(مطابق ۱۱۔ مارچ ۱۸۶۵)

حکیم غلام رضا خاں

نوردیدہ، سرورِ دل و راحتِ جان، اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو غالب نیم جان کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہو کر اور تمھیں خدا کو سونپ کر روانہ رام پور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑ چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا۔ سایہ و سرچشمہ جابجا۔ آرام سے رام پور پہنچا۔ نواب صاحب[۱] حال بمقتضاے الولد سر لابیہ حسن اخلاق میں نواب فردوس آرامگاہ[۲] کے برابر ملکہ بعض شیوہ و روش میں ان سے بہتر ہیں۔ بجز و مسند نشینی کے غلے کا محصول ایک قلم معاف، علی بخش خانساماں[۳] کو بیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ مفصل حالات بذل و نوال عند الملاقات زبانی کہوں گا۔

سنو صاحب، میں فقیر آزادہ کیش ہوں۔ دنیا دار نہیں، مکار نہیں۔ خوشامد میرا شعار نہیں۔ جس میں جو صفات دیکھتا ہوں۔ وہ بیان کرتا ہوں۔ نواب صاحب تو گھر بیٹھے سو روپے مہینا دیتے ہیں تم مجھ کو کیا دیتے ہو؟ جو تمھارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بالفرض میرا کوئی صلبی بیٹا ایسا ہوتا۔ جیسے تم ہو تو میں اس وا اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل و خلق و صدق و سداد و حلم کے جامع ہو ورع و زہد و تقویٰ کے حاوی، علم اخلاق میں حکماے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں، وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے۔ ان شاء اللہ کہ ہمچنیں خواہد بود۔

غالب ۱۸۶۵ء

۱؎ نواب کلب علی خاں ۲؎ نواب یوسف علی خاں ۳؎ مولانا محمد علی مرحوم رئیس الاحرار کے دادا تھے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سید احمد حسن قنوجی

نواب سید صدیق حسن خاں (والا جاہ امیر الملک) مرحوم و مغفور کے بڑے بھائی تھے۔ والد کا نام سید اولاد حسن تھا جو مجاہد کبیر سید احمد بریلوی کے رفیق خاص تھے۔ اور جہاد میں سید صاحب کے ساتھ سرحد گئے تھے۔ بعد میں ان کے حکم کے مطابق واپس آ گئے۔

احمد حسن ۱۹۔ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ (۳۔ مارچ ۱۸۳۱) کو پیدا ہوئے۔ ایسے نادر اوصاف کے آدمی قرنوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ حافظہ گویا لوح محفوظ تھا۔ تمام علوم پر حاوی تھے۔ عربی اور فارسی کے بیگانہ ادیب اور شاعر تھے۔ فنون سپہ گری میں خاص کمال بہم پہنچایا۔ اسپ دوانی۔ نیزہ بازی اور بندوق زنی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

کئی مرتبہ کا ارادہ کیا لیکن والدہ ہمیشہ یہ کہہ کر روک دیتیں کہ سب اکٹھے چلیں گے۔ آخر ان کا دینی جذبہ زیادہ توقف کا متحمل نہ ہو سکا اور ۱۸۵۹ء میں نکل پڑے۔ منزل بہ منزل اندور ہوتے ہوئے مارچ ۱۸۶۰ء میں بڑودہ پہنچے اور مولانا غلام حسین قنوجی کے ہاں مقیم ہوئے۔ رمضان گزرا پھر ارادہ ہو گیا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آگے چلیں گے، خارش کی شکایت راستے میں پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا علاج کراتے رہے۔ اس اثنا میں تپ اسہال کا عارضہ شروع ہو گیا۔ مولانا غلام حسین نے بہتر سے بہتر اطبا سے علاج کرایا۔ لیکن صحت نہ ہوئی۔ ۲۵۔ نومبر ۱۸۶۰ء کو وہیں فوت ہوئے۔ قمری سنین کے

حساب سے تیس برس سات مہینے اور بیس روز کی عمر تھی۔

عربی اور فارسی میں ان کی نظم ونثر دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کتنا صحیح ذوق تھا اور کتنے پایہ شاعر وادیب تھے۔ کئی قصیدے ایسی زمینوں میں کہے ہیں جن میں مشہور اساتذہ کے قصیدے موجود ہیں۔ لیکن سید احمد حسن کے ہاں! بالکل نئے اور اچھوتے مضامین ملیں گے۔ عرشی تخلص تھا۔ اردو کلام بھی موجود ہے۔ نظم ونثر میں غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ خود کہتے ہیں:

مغلوب ہیں سب اہل جہاں میرے سخن سے
ہوں زلہ ربا غالب اعجاز رقم کا

غالب کو معلوم نہ تھا کہ وہ حج کے لیے نکل چکے ہیں اور غالباً سید احمد حسن نے اپنے پہلے خط میں تخلص نہیں لکھا تھا۔ اس لیے بڑودہ سے خط آیا تو حیران ہوئے کہ یہ کون ہیں۔ قاضی عبدالجمیل جنون، عرشی کے دوست تھے۔ ان کے نام ۲۸۔ اگست ۱۸۵۹ء کے خط میں عرشی کو سلام لکھتے ہیں۔ پھر قاضی صاحب نے غالباً ان کے سفر حج کو پیش نظر رکھتے ہوئے فراق کا ذکر کیا۔ غالب لکھتے ہیں:

''مولوی احمد حسن کے فراق کو میں نہیں سمجھا کیوں واقع ہوا.....'' الخ

دوسرے خط سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احمد حسن مرحوم نے حج کے لیے جاتے ہوئے دہلی میں غالب سے ملاقات کی تھی۔ وہ سب کچھ بھول گئے۔

(۱)

یارب یہ ایک خط کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے۔ کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے۔ ادھر سے اظہار آشنائی ہے۔ میری طرف سے یہ بے حیائی ہے۔ کہ مجھ کو ان کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانہ نسیان خراب، عشرہ قتالہ کے مرحلے کا وہ بیمار ہوں، شاید اگر جیوں گا تو اس کا بھی مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ پینسٹھ برس کی عمر پائی۔ حواس ظاہر میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل، بسبب نسیاں کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں۔ خدایا۔ کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں، مولوی لکھوں خاں لکھوں، خط تو خیر کچھ دوں گا۔ خط کا کیا عنوان لکھوں۔

بندہ پرور، فقیر معاف رہے۔ حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں بلکہ ان کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں، گویا اپنا نام ہمیشہ مجھ کو یاد دلاتے رہتے ہیں۔ نہ آپ کو بعد ایک عمر کے ناگاہ نامہ سے یاد فرمائیں۔ اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ لائیں۔ بہ ہر حال تمہارا دعا گو ہوں۔ اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے؟ کے ملاقاتیں ہوئی تھیں؟ یہ سب مدارج جان جاؤں۔ نثر کے شیوہ و انداز کا ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ شاعر ہو، شاعر بھی ہو تو تخلص کیا ہے۔

نامہ نگار کا حال بہ سبیل اجمال یہ ہے کہ سیاست سے محفوظ رہا ہوں اور احکام کی عنایت سے محفوظ رہا ہوں۔ بے وفائی کا داغ نہیں لگا ہے۔ پنس قدیم کو بدستور حکم اجرا ہے۔ زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھیے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔

یہ مکرم مخدوم، آپ کے ہم نام جناب مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہر ادویش نواز ہیں کہ اس گمنام گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام بہ اشتیاق تمام پہنچائے۔ والسلام

راقم

جواب نامہ کا طالب

اسد اللہ المتخلص بہ غالب

(۲)

مخدوم مکرم مولوی سید احمد حسن خاں صاحب باور کریں کہ یہ درویش گوشہ نشین تمہارا دوست اوتمہارا دعا گو ہے۔تمہاری نثر کی طرز پسند،تمہاری خواہش مقبول، سید احمد حسن صاحب کی خدمت گزاری منظور،

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

---

۱ پنشن کا جمع شدہ روپیہ ۱۸۶۱ء میں ملا، یہ خط بہ ہر حال مئی اور ستمبر کے درمیان کا ہے۔

پینسٹھ برس کی عمر پائی۔اضمحلال قوی،ضعف دماغ،فکر مرگ،غم عقبی، جو آپ مجھے دیکھ گئے ہیں۔میں اب وہ نہیں ہوں۔نظم ونثر کا کام صرف پچاس برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے ورنہ جو ہر فکر کی رخشندگی کہاں۔بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے۔ زور نہیں دلوا سکتا۔بہ ہر حال حکیم صاحب کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔یہاں سے بعد حک و اصلاح کے خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲۱۔ستمبر ۱۸۶۰ء غالب

میر بندہ علی خاں

میر صاحب شفیق مکرم و معظم، میر بندہ علی خاں، عرف میرزا میر صاحب کو غالب ، بے برگ و نوا کا سلام پہنچے۔ آپ کا پیام روح افزا پہنچا۔ بلکہ وہ عبارت سراسر بشارت میں نے خود پڑھ لی۔ جناب سری راؤ راجہ اِ صاحب نے جو میرے حق میں فرمایا، سو بجا ہے، پانچ برس کی عمر میں میری تھی کہ میرا باپ عبداللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہ کہا راجہ بختاور سنگھ بہادر کی رفاقت میں مارا گیا۔ سرکار سے میرے باپ کی تنخواہ میرے نام جاری ہوئی اور ایک گاؤں جس کا تالڑا۲ نام ہے۔ مجھ کو برائے دوام ملا۔ آپ یوں سمجھیے کہ ادھر دودھ پینا چھوڑا اور راج کی روٹی کھائی۔ چار برس کے بعد نصر اللہ بیگ خاں میرا چچا مر گیا۔ نو برس کی عمر میں سرکار انگریزی سے بہ عوض چچا کی جاگیر کے نقدی مقرر ہوئی۔ اب تک اسی پر معاش کا مدار ہے۔ عمر بھر نوکری کی تو بہادر شاہ سے نجل الدولہ و بیر الملک نظام جنگ خطاب پایا۔ کچھ دنوں بادشاہ کا مصاحب رہا۔ پھر استاد کہلایا۔ اب ایک کم ستر برس کی عمر ہے۔ کانوں سے بہرا ہو گیا ہوں۔ بغیر لاٹھی کے چل نہیں سکتا۔ تکیہ یا دیوار کے آسرے بغیر بیٹھ نہیں سکتا۔ دنیا دار نہیں، فقیر ہوں، بہت سی عزت اور تھوڑی سی دولت چاہتا ہوں۔ حضور۳ کو خدا سلامت رکھے۔ وہ مجھے عزت بھی دیں گے اور دولت بھی بخشیں گے۔ قطع نظر اس سے حضور کا جمال دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ میں نے تو مسند نشینی کی تہنیت اور تاریخ کا قطعہ مع عرضداشت کے بھیجا۔ حضور نے کیوں میری عرضی کا جواب نہ لکھا۔ اور کیوں مجھ کو نہ بلا بھیجا۔ راج کا قدیم متوسل انگریز کا پنسن دار

اور خیر خواہ بعد غدر کے پنسن جاری۔ گورنمنٹ سے اور حکام دہلی سے ملاقاتیں بدستور، خطوط کی آمد و رفت جا بنیں سے بدستور، اب بہ فتح و نصرت سفر سے معاودت فرمائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا اور وہ سب کو اغذ نظر سے گزرانوں گا۔ آپ سے خاص اس مہربانی کا امیدوار ہوں کہ یہ خط اپنے نام کا بہ احتیاط اپنے پاس رہنے دیجئے۔ حضور تشریف لائیں تو یہ خط حضور کی نظر سے گزرائیے۔ میں تو حضور کے تشریف لانے کی خبر سن کر فورا الور روانہ ہوں گا۔ ان شاء العلی العظیم۔

۸۔ شعبان ۱۲۸۰ھ (۱۸ جنوری ۱۸۶۴ء) راقم: اسد اللہ خاں

---

۱ شیو دھیان سنگھ والی اور ۲ عبداللہ بیگ کے مرنے پر میرزا اور ان کے بھائی کے نام مقرر رہوا ہو گا لیکن کب اور کس وجہ سے یہ ضبط ہوا؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ۳ مہاراجہ الور۔

جد امجد احمد عزیز کیفی

گماں زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

مجھے زندہ سمجھتے ہو۔ جو نثر فارسی کی فرمائش کرتے ہو؟ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ پنسن اگر چہ ملے گا، لیکن دیکھیے کب ملے گا؟ اس کے ملنے تک کیا ہوگا اور اس کے ملنے سے میرا کیا کام نکلے گا؟ قطع نظر ان امور سے، اس وجہ قلیل کو کسی بستی میں بیٹھ کر کھاؤں گا گا۔ یہ شہر اب شہر نہیں، قمر ہے۔ قصیدے کے اشعار ابھی کیوں بھیجو، جب زیب اطباع پا چکے۔ تب ایک نمبر مجھ کو بھیج دینا۔

میں نے بعد توطیعہ وتمہید آغاز مئی ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگزشت لکھی ہے اور بہ حیثیت اقتضاء مقام وقائع بھی اس میں درج کیے ہیں۔ شیوہ زلزوم مالا یلزم مرعی رکھا ہے۔ یعنی فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی بھی وہ فارسی قدیم کہ جس کا اب پارس کے بلاد میں نشان بھی نہیں تا بہ ہندوستان چہ رسد؟ چالیس صفحے لکھ چکا ہوں، تمام میں انتظار یہی ہے کہ پنسن کا مقدمہ طے ہو چکے، ملے یا جواب ملے اور میں بہ ہر حال کسی جگہ اقامت گزیں ہولوں۔ ہاں اس کے وقوع تک جو کچھ قابل تحریر جوانب اجانب سے معلوم ہوگا۔ وہ ناچار لکھوں گا۔ یہاں کوئی چھاپے خانہ نہیں ہے۔ اگر اجازت دو گے تو بعد اختتام ان اوراق کو تمہارے پاس بھیج دوں گا تا کہ ہزار جلدیں طبع ہو کر قلمرو ہند میں پھیل جائیں:

مگر صاحب ولے روزے بہ رحمت

کند در حق ایں مسکیں دعاے

شیر زماں اپنے باپ کی رہائی کی فکر میں میرٹھ گئے ہیں۔ یہ کس واسطے کہ غریب یہاں کی حوالات میں سے تحقیقات کے لیے وہاں بھیجا گیا۔

یک شنبہ ۱۸۔ جولائی ۱۸۵۸ء غالب بے نوا

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عبدالحق

(۱)

بھائی ، یہ نہ سمجھو کہ سلطان بہ معنی مصدر آتا ہے ۔ سلطنتہ۲ اگر چہ من حیث القیاس صحیح لیکن ٹکسال باہر ہے ۔

---

۱ منقول از رسالہ تصویر جذبات بہ حوالہ مرقع اب از جناب صفدر میرزا پوری ۔ رسالہ تصویر جذبات کے ایڈیٹر احمد عزیز کیفی نے فرمایا کہ یہ خط کے جد امجد کے نام تھا ۔ نام معلوم نہ ہو سکا ۔ ۲ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے ایک عرضی بنام ملکہ وکٹوریہ عبدالحق کے ذریعے سے لکھوائی تھی اس نے دو اعتراض کیے :

---

۱ سلطانہ کے بجائے سلطنتہ لکھنا چاہیے ۲ ۔ ملکہ وکٹوریہ کی رعایت سے ضمیر مونث لکھی جائے ۔

یہ رقعہ انہی دو باتوں کے جواب پر مشتمل ہے ۔

''خلد اللہ ملکہ و سلطانہ'' لکھتے ہیں ۔ منشیان ایران و روم یوں ہی لکھتے آئے ہیں ۔ ضمان بہ معنی ضامن اور بہ معنی ضمانت سلطان بہ معنی بادشاہ ، اور بہ معنی سلطنت اس میں کچھ تامل نہ کرو ، کسی کی مجال ہے کہ اس پر ہنس سکے ؟

لیکن ملکہ و سلطانہ علامت مذکر ہے اگر ملکہا و سلطانہا ، بن جائے تو بہتر ہے ۔ ورنہ خیر یونہی رہنے دو ۔ ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہ رعایت شکوہ سلطنت ہم نے تانیث کی رعایت نہ کی اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سگھڑ ہو تو ہاے

ہوز کا شوشہ مٹا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنواور اور سلطانہ کو خدا کے واسطے مت بدلنا۔ یہ بلغاے عرب وعجم کا قرارداد ہے۔ بعد اس تحریر کے عرض ہے کہ پرسوں پنج شنبہ کو عرضی لکھی ہوئی میرے پاس آ جائے۔

(۲)

جناب عالی،

یہ خط فتح پور سے آپ کے نام آیا ہے۔ میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ خط پہنچتا ہے۔ اس کو ملاحظہ کر کے جب اس کی جواب مجھ کو دیجئے گا تو میں فتح پور روانہ جاؤں گا۔

شادی پادشاہ کے فرزند کی اور بزم گاہ دیوان خاص۔ رقعے لکھے جائیں گے صمصام الدولہ کی طرف سے۔ صمصام الدولہ امیر ہیں اور امرا ہمدگر طریقہ فروتنی کا مسلوک رکھتے ہیں۔ یعنی تشریف لائیے، ممنون کیجئے۔ پس اب میں اس رقعے کی عبارت میں کیا الفاظ صرف کروں؟ تشریف اور قدوم میمنت لزوم کر دیوان خاص سے مباعدت محض اور پھر واعی صمصام الدولہ، اگر شہزادے اور دیوان خاص کے لائق الفاظ لکھے جائیں تو حضرت مکتوب الیہ برا مانیں گے کہ ہم کو صمصام الدولہ نے کیا لکھا ہے۔ اگر متواضعانہ عبارلکھی جاوے تو کسر شان سلطنت ہے۔ اب آپ مجھ کو ہدایت کیجئے کہ نگارش کا کیا انداز ہو۔ والسلام!

اسد اللہ

میر ولایت علی

جناب میر ولایت علی صاحب مہتمم مطبع عظیم المطابع، عظیم آباد،

واسطے اپنے جد کے میری تعصیر معاف کیجئے، درحقیقت میرا گناہ نہیں:

پیری و صدعیب چنیں گفتہ اند

ستر برس کی عمر، حافظہ معدوم، نسیان مستولی کل آپ کی بہ طلب، بوستان خیال، مترجمہ صفیر بلگرامی خط لکھا۔ لفافہ کرتے وقت ٹکٹ لپیٹنا بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا، ٹکٹ بکس میں پائے، ۔ ذلیل وخوار، خجل وشرمسار، آج بہ لفافہ جدید ملفوف کرکے بھیجتا رہوں۔ کتاب وہاں سے پہلے روانہ ہو یہ لفافہ وہاں بعد پہنچے۲۔

۶۔ اپریل ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

---

۱ مکتوب الیہ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ شاید یہ میرزا جواں بخت کی شادی کا معاملہ ہو۔ ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے میرزا سے یہ تحریر لکھوائی ہو۔ کیونکہ ابتدائے خط میں فتح پور جانے کا ذکر ہے۔ ۲ یہ خط علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں چھپا تھا۔

سخاوت حسین

محمد سخاوت حسین مدہوش انصاری بدایوں کے تھے۔ آپ کے دادا تیرھویں صدی کے مشہور بزرگوں میں سے تھے ۱۲۵۸، ۱۸۴۲ء میں انتقال ہوا۔ مدہوش کا عمر کا زیادہ حصہ شاہ جہان پور میں گزرا۔ وکیل عدالت دیوانی تھے۔ آنریری مجسٹریٹ اور بلدیہ کے نائب صدر بھی رہے۔ اپنے دور کی قومی تحریکات میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ کانگرس کے پہلے اجلاس میں شرکت کی۔ تقریر میں بارہا، ہم کہتے رہے۔ ایک صاحب نے پوچھا ہم سے آپ کی مراد کیا ہے؟ فرمایا ''ہ'' سے ہندو اور ''م'' سے مسلمان۔ تصانیف میں رسالہ تعلیم مسلمانان ہے اور رقعات مدہوش'' میں تذکرۃ الواصلین پر تقریظ بھی لکھی جاتی ہے۔

مشفقی ومکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

سبحان اللہ آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں۔ اپنے کونفرین کروں اگر شتاب نہ لکھوں۔ اس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمہارا خط دیا۔ ادھر پڑھا، ادھر جواب لکھنے کا قصد کیا۔ میں ایک شخص گوشہ نشین، فلک زدہ اندوہگیں، نہ اہل دنیا، نہ اہل دیں۔ مجھ جیسے نکمے آدمی کا جو مشتاق ہو۔ اس کے خط کا جواب لکھنا کیوں مجھ پر شاق ہو؟ ظاہر تم خود مجمع حسن اخلاق ہو۔ ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو؟ ہاں ایک بری بھلی شاعری، اس کا حال یہ کہ آگے جو کچھ کہا، سو کہا۔ اب شاعر

بھی نہیں رہا۔ بہ ہر حال تمہاری فقیر نوازی کا شکر گزار ہوں اور طالب دیدار ہوں

چاشتگاہ دوشنبہ ۴۔ فروری ۱۸۶۱ء   نجات   کا طالب

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مہاراجہ سردار سنگھ والئی بیکانیر

بہ حضور وافر اسرور، جناب سری مہاراجا صاحب والا مناقب عالی شان،
قلزم فیض واحسان دام اقبالہ وزادافضالہ[1]

لوازم نیاز و تسلیم مودت واردات بجاے آرزو مطالب و مقاصد را بہ زبان اردو عرضہ مے دارد، یہ گوشہ نشین، سرکار فیض آثار انگریزی کا بہ عوض جاگیر پنسن دار اور گورنمنٹ کے دربار میں سات پارچے اور تین رقم خلعت پانے والا اور حضرت قدر قدرت ملکہ معظّمہ دوراں کا مداح اور بقلم وزراے شہانشاہی سارٹی فکٹ خوشنودی کا پائے ہوے ہے۔ درین ولا منشی کشوری لال صاحب نے کہ وہ میرے دوست اور حضور کے خیر خواہ ہیں۔ مجھ پر مسودہ عرضداشت اور سکہ حضور کی فرمائش کی[3]۔

---

[1] یہ خط رسالہ سراج سخن (شاہجہان پور) شائع ہوا تھا فروری ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۸) وہاں سے اردوے معلی میں نقل ہوا۔ [2] مہاراجا سردار سنگھ والی بیکانیر، پیدائش ۱۸۱۹ء مسند نشینی ۱۸۵۲ء وفات ۱۸۷۲ء۔ [3] بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ والی بیکانیر نے اپنے نام کا سکہ جاری کرنا چاہا لیکن، (باقی صفحہ ۵۳۹ پر)

میں حضور کی خدمت بجالانے کو اپنا فخر و سعادت سمجھتا ہوں، اور عرضداشت کا مسودہ اس نیاز نامہ میں ملفوف بھیج کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ مسودہ پسند نہ آئے تو یہ کاغذ مجھے واپس مل جائے اور اگر اسی مسودے کے موافق عرضداشت لکھنی منظور ہو تو میرا بھیجا ہوا یہ مسودہ کہ بہ مہر و دستخط میرے ہے۔ دفتر میں رہے اور حرف بہ

حرف مطابق اس کے عرضداشت لکھی جائے۔ میرے لکھے ہوئے فقروں میں اور فقرے داخل نہ کئے جائیں اور کوئی لفظ بدلا جائے۔[1]

اسم مبارک کے سکے کے باب میں عرض یہ ہے کہ اگر سند جلوس کو قرار دیجئے کہ ہندوستان میں بادشاہی عملداری ہوئی تو یہ بات نامناسب ہے۔ کیا وہ اس سے پہلے بادشاہ نہ تھیں۔ اور اگر وہ سال دوولایت میں تخت پر بیٹھی ہیں تو یہ تکلف محض ہے۔

بہتر یہ ہے کہ دو سنہ لکھے جائیں۔ ایک از روے اطاعت ۱۸۵۹ عیسوی اور ایک موافق رواج ملک وملت سنبت ۱۹۱۵۔[2]

سکہ مبارک کے تین نقشے بھیجتا ہوں۔ دو مع تصویر اور اس میں سکہ منظوم یعنی ایک شعر جیسا کہ سلاطین ماضی کا ہر ملک میں دستور ہے اور ایک نثر۔ ان نقشوں میں سے جو نقشہ سری مہاراج کی پسند آئے وہ حضور کو مبارک ہو۔

اب نیازمند اس عنایت کا متوقع ہے کہ آئندہ میں راج کا متوسل اور سری مہاراج کا دولت خواہ اور دعا گو گنا جاؤں اور جو کام میرے لائق ہو۔ بے تکلف اس کے سرانجام کا مجھ کو حکم ہوا کرے۔ زیادہ حد ادب،

بہارستان جاہ وجلال بے خزاں و بہار دولت واقبال جاوداں باد،

نگاشتہ پنجم جنوری ۱۸۵۹ء نیاز نامہ اسد اللہ خاں شاعر

غالب تخلص

اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ

نجم الدولہ و بیر الملک

(بقیہ حاشیہ صفہ ۵۳۸) ملکہ وکٹوریہ سے اس کی اجازت لینی ضروری تھی کیونکہ ۱۸۵۸ء میں کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی تھی۔ اور ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت آ گیا تھا۔ عرضداشت غالبا سکے کے اجرا کی اجازت کے لیے لکھوائی گئی تھی۔[۱] اس لیے لکھا کہ میرزا عبارت میں دخل نفس مطالب پر بھی اثر انداز ہوسکتا تھا اور اس سے عبارت کے حسن پر بھی زور پڑ سکتی تھی۔[۲] مطلب یہ کہ اگر ملکہ کی بادشاہی ہند کا سال رکھا جائے تو یہ اسلے نامناسب ہوگا کہ وہ اسے پیشتر بھی بادشاہ تھیں۔ اگر انگلستان کا سال جلوس رکھا جائے (۱۸۳۷ء) تو یہ محض تکلف ہوگا۔ لہذا بہتر یہ ہوگا کہ ۱۸۵۹ء از روے اطاعت رکھا جائے اور ۱۹۱۵ء رواج ملک کے مطابق رہے۔

حکیم محبّ علی

حکیم محب علی کا سلسلہ نسب امام محمد بن الحنیفتہ تک پہنچتا ہے۔ پر دادا اٹاوہ میں چکلے دار اور دادا گلاؤٹھی میں ملازم تھے۔ والد (حکیم مشتاق علی) نے مین پوری میں طباعت شروع کی۔ حکیم محبّ علی طبابت بھی کرتے تھے اور وکالت بھی۔ غالباً وہ خط و کتابت کے ذریعے سے اصلاح لیتے تھے۔

بندہ پرور آپ کی تحریر سے مستنبط ہوتا (ہے کہ آ) آپ مجھ سے میرٹھ میں ملے تھے۔ مگر میں ہر چند یاد کرتا ہوں۔ مجھ کو وہ صحبت اور آپ کی ملاقات کی صورت یاد نہیں آتی۔ بہر حال ارسال مسودات کی خواہش مقبول اور حک و اصلاح کی خدمت بجالانی بہ دل منظور، تمہارے ابو الا باک اوہ ابو الائمہ بھی ہیں۔ غلام ہوں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ۱۲

"ماہ نیم ماہ مانگتے ہو۔ یہ نہیں جانتے ہو کہ وہ آسمان ہی ٹوٹ پڑا جس پر ماہ نیم طلوع کرتا؟ بات یہ ہے کہ جس طرح مسافر سفر میں آدھی منزل طے کر کے دم لیتا ہے۔ میں نے آدم سے ہمایوں تک کا حال لکھ کر دم لیا تھا۔ قصد تھا کہ اب جلال الدین اکبر کی سلطنت کا حال لکھوں گا کہ ناگاہ یہ فتنہ عظیم حادث ہوا اور اکبر و ہمایوں کے خاندان کا نام و نشان جاتا رہا۔ عرفت ربی بفسخ العزائم ۱۲ پنج آہنگ مہر نیمروز، دستنبو، قاطع برہان دیوان اردو یہ پانچ رسالے البتہ کتب میں شمار کیے جائیں۔ باد مخالف کئی ورق کی ایک مثنوی ہے۔ منجملہ ان مثنویوں کے جو کلیات نظم و فارسی،

میں مندرج ہیں بجائے خود کتاب نہیں ہے۔ ہاں تو یہ فرمائیے کہ قاطع برہان آپ کے ہات کہاں سے آئی؟ شاید نواب مصطفیٰ خاں صاحب سے آپ نے لی ہوگی۔ ماخذ، قاطع برہان ضرور لکھیے۔۱۲

گمان زیست بود برمنت ز بے دردی
بد است مرگ ولے بدتر از گمان تونیست

ہے، ہے تم اب تک یہ جانتے ہو کہ غالب شعر کہتا ہے یا کہہ سکتا ہے۔ ایک پانو رکاب میں، ایک ہات باگ پر۔، اس صورت میں کا کہوں گا۔ اور کیا لکھوں گا۔ اخ مکرم و معظم نواب مصطفیٰ خاں گواہ ہیں کہ میں اب شعر نہیں کہتا۔ اللہ اللہ لا موجود الا اللہ۱۲

چہارشنبہ ۱۸ جنوری، ہنگام نیمروز غالب۱۲

نواب یوسف علی خاں ناظم

نواب محمد یوسف علی خاں والی رام پور (۵۔ مارچ ۱۸۱۶ء) ۲۱ پریل ۱۸۶۵ء) ابتدائی تعلیم دہلی میں مفتی صدرالدین آرزدہ، مولانا فضل حق خیر آبادی اور میرزا غالب سے پائی۔ ۱۸۵۵ء میں مسند نشین ہوئے۔ شاعری میں میرزا کے شاگرد تھے۔ رام پور سے میرزا کی وابستگی انھیں کے عہد میں ہوئی۔ بعد وفات یوسف علی خاں کے لیے۔ مخردوس مکان کالقب تجویز ہوا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ناظم تخلص تھا۔

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت، بعد تسلیم معروض ہے توقیع دقیع عزورود لایا۔ بذریعہ ہنڈوی سوروپے بابت جنوری ۱۸۶۵ء معرض وصول میں آئے۔

دیکھیے کب غسل فرماتے ہیں آپ
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے!

زیادہ حد آداب

تم سلامت ہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۸۔ فروری ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

یہ دونوں خط نادم صاحب سیتاپوری نے خیاباں (لکھنو نومبر ۱۹۳۳ء) سے

لے کر طویل تمہید و حواشی کے ساتھ مارچ ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ آجکل دہلی میں شائع کیے تھے۔ ان میں سے پہلا مرزا کے بھانجے عباس بیگ کے نام ہے جو سیتاپور میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ اور اسی ضلع میں علاقہ بڑا گاؤں بطور جاگیر ملا تھا۔ نیز چھ سو روپے ماہوار الگ ملتے تھے۔ وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو لکھنو میں اقامت اختیار کر لی۔ اور وہاں ایک امام باڑہ بھی بنوایا۔ پچھتر برس کی عمر پا کر ۱۲۶۰، ۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے تو اپنے ہی امام باڑے میں دفن کیے گئے۔ ان کی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی وجیہہ النساء بیگم تھی جس کی شادی عباس بیگ نے اپنے بھتیجے محمود بیگ بن عاشور بیگ سے کر دی تھی جس کے نام دوسرا مکتوب ہے۔ وجیہہ النساء بیگم والد کی زندگی میں ہی انتقال کر گئی تھی۔ عباس بیگ نے پوری جائداد اپنے

امام کے والا شعر میرزا کی ایک غزل میں موجود ہے جو غالباً ۱۸۵۳ء میں کہی گئی تھی۔ اسی زمانے میں بہادر شاہ کے غسل صحت کی خبر تھی چنانچہ فرمایا

شاہ کہ ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

اس کا پہلا مصرع بدل کر نواب یوسف علی خاں کے غسل صحت کی تقریب پیدا کر لی۔

بھتیجے مرزا عباس بیگ (بن میرزا جواد بیگ عرف میرزا مغل) کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اس لیے پوری جائداد اسکے نام کر دی۔

میرزا عباس بیگ کا ذکر غالب نے کئی خطوط میں کیا ہے۔

اس خاندان کے مزید حالات یہاں بیان کرنے غیر ضروری ہیں۔ دونون خطوں سے مترشح ہوتا ہے کہ خط و کتابت بھی جاری تھی اور غالبا کوئی نہ کوئی میرزا کو دیکھنے کے لیے بھی آتا رہتا تھا۔ چنانچہ محمود بیگ کے خط میں ہے۔ جب مجھ کو دیکھو گے تو جانو گے کہ کیا حال ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرزا عباس بیگ

بھائی، میرزا عباس بہادر، میں حیران ہوں کہ تم سرکار کے کام کو کیوں کر انجام دیتے ہو؟ اور مضامین قانون کو کیوں سمجھ لیتے ہو اور مقدمات کے فیصلے کیوں کر کرتے ہو۔ مجھ کو نواب گورنر جنرل بہادر کا دربار کب نصیب ہوا؟ نہ انھوں نے دہلی میں دربار کیا۔ نہ میں اپنا گیا۔ میں نے تم کو لکھا کہ ادھر تو مجھ کو اپنے فرزند[1] کی شادی میں شریک نہ ہونے کا رنج رہا ادھر دربار میں حاضر نہ ہونے کا غم رہا۔ اخبار میں نے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب یعنی جناب منٹ گمری[2] صاحب اور ان کے سکرٹری تامس ڈگس فورساتھ صاحب اور ان کے میر منشی پنڈت من پھول سنگھ صاحب کی تعریف چھوڑ دی۔ اس اخبار کی عبارت سے یہ بات نکلتی ہے کہ منشی نے مجھے خلعت دلوایا اور یہ بھی محل غور ہے کہ گورنر جنرل کے دربار میں خلعت پایا۔ بہکتے ہو اور پھر میر منشی من پھول سنگھ[3]..... کو اس کا سب جانتے ہو۔ وہ میر منشی لفٹنٹ گورنر کے ہیں ان کو گورنر کی سرکار میں کیا دخل۔

مجھ کو ہرگز دیدار نواب گورنر جنرل لارڈ ایلگن بہادر کا نصیب نہیں ہوا۔ ہاں جب نواب لفٹنٹ گورنر منٹگمری بہادر اس شہر میں آئے تو مجھ کو دیا کیا۔ بہت عنایت فرمائی۔ ایک شالی رومال سوزن کا اور ایک گلوبند سوزن کار اور ایک الوان کی فرد چار گز لمبی، یہ تین کپڑے مجھ کو دیے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا موجب اعزاز و افتخار ہے مگر میری جان الجھی ہوئی ہے لارڈ صاحب کے دربار و خلعت میں فرمایا اچھا اچھا۔ دوسرے دن لارڈ صاحب آئے..... [5] تیسرے دن لفٹنٹ گورنر پنجاب سے

رخصت ہونے لگا پھر میں نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ لارڈ صاحب کے دربار سے سنہرے اساوری کے سات پارچے اور جیغہ سرپیچ، مالائے مروارید تین رقم ہمیشہ پایا کیا ہوں اور اب یہ اور دربار اور خلعت بند ہے۔ اس کا مجھ کو بڑا غم ہے فرمایا کہ غم نہ کرو تمہارا دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ جاؤ گے تو دربار اور خلعت پاؤ گے۔ میں نے اپنا ہاتھ دکھایا اور کہا حضرت

---

۱ مکتوب الیہ کی بیٹی وجیہہ النساء بیگم جس کی شادی محمود بیگ سے ہوئی تھی۔ ۲ منٹگمری ۱۸۰۹ء۔ ۱۸۸۷ء) فروری ۱۸۵۹ء سے جنوری ۱۸۶۵ء تک لفٹنٹ گورنر رہا۔ ۳ تامس ڈگس فورسائتھ ۱۸۲۷ء۔ ۱۸۸۶ء) اس نے یارقند اور لیہ کے سفر بھی کیے۔ انبالہ میں کمشنر بھی رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد باغیوں کی سزادی کے لیے کمشنر بنا دیا گیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لفٹنٹ گورنر کا سیکرٹری کب سے کب تک رہا ۴ من پھول سنگھ میر منشی پنجاب جو مولانا محمد حسن آزاد اور بعض دوسرے افراد کو لے کر ترکستان گیا تھا۔ ۵ یعنی وائسرائے اور گورنر جنرل اس زمانے میں لارڈ ایلگن اس عہدے پر مامور تھا۔ ۱۸۶۲ء میں یہاں آیا۔ (۲۔ نومبر ۱۸۶۳ء کو دھرم سالہ (ضلع کانگڑہ) میں فوت ہو گیا یہ لارڈ ایلگن اول تھا اس کا بیٹا ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۹ء تک وائسرائے رہا۔

بوڑھا ہوں اور زخمی ہوں، انبالہ کس طرح جاؤں۔ خیر آیندہ دربار میں پاؤ گے۔

جو عرضی میری تم نے میری طرف سے لکھ کر مجھ کو بھیجی تھی اور میں نے اپنی مہر کر کے رجسٹری کروا کر کلکتہ بھیجی تھی اس کا کچھ میں نے جواب نہیں پایا۔ شاید یہ حکم اسی

عرضی پر ہوا ہو۔ لیکن اس عرضی کو گئے ہوئے بہت دن ہوئے اور دربار و خلعت کی واگزاشت کا حکم اب صادر ہوا۔ چنانچہ مولوی اظہار حسین خاں میر منشی کہتے تھے کہ لارڈ صاحب تمہارے دربار اور خلعت کے واگزاشت کا حکم دے کر کلکتہ سے ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔ دوسرے نواب گورنر جنرل بہادر کا نام لارڈ ایلگن بہادر ہے اور چیف سکرٹر بہادر کا کرنیل ڈورینڈھی بہادر نام ہے، ہیرنگٹن صاحب شاید سال آیندہ سکرٹر ہوں یا پرائیویٹ سکرٹر ہوں یا کونسل کے ممبر ہوں۔

بہر حال اگر تمہارے سبب سے یہ کام ہوا تو کیا غضب ہوا۔ مگر اتنا جان لو کہ واگزاشت اک حکم سنتا ہوں کہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس تحریر اس حکم کی ابھی نہیں پہنچی اور تعمیل بھی ابھی نہیں ہوئی۔ یعنی نہ میں دربار میں گیا۔ نہ خلعت پایا۔ نواب لفٹنٹ بہادر کی ملاقات اور ان کا خلعت اور امر ہے۔ یہ اور بات ہے۔ اس امر سے اور اس بات سے اس کو علاقہ نہیں۔

اب میں نے جناب کرنیل ڈورینڈھی بہادر چیف سکرٹر کو فارسی میں خط بھیجا ہے اور وہ کاغذ انگریزی آمدہ ولایت اس کے ساتھ بھیجے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ گورنمنٹ سے میرے واسطے تین دستور مقرری جاری ہیں۔ دربار، خلعت، خط، بعد غدر کے تینوں دستور بند ہو گئے۔ اب دربار اور خلعت کی واگزاشت کی خبر سن کر سکرٹر صاحب کو خط لکھا ہے۔ جواب کے آنے پر دلجمعی کا مدار ہے۔ اگر جواب آیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔ ۱۲

واسطے خدا کے ان سطروں کو غور سے دیکھنا اور ان کو اچھی طرح سمجھ لینا اور غلط نہ سمجھنا۔ دوسرا ورق بنام محمود مرزا کے ہے اس کو دینا اور اگر تمہارے پاس نہ ہو تو جہاں ہو

بھیج دینا۔ ۲۲

مرقومہ سہ شنبہ ۲۳۔ ذی قعدہ ۱۲۷۹ھ

راقم غالب

مطابق ۱۲۔ مئی ۱۸۶۳ ضروری

جواب طلب

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مرزا محمود بیگ

برخوردار اقبال نشان محمود مرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی میں تمہارا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ خط تمہارا اچھا ہے۔ خدا کرے

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عباس بیگ نے بھی ماموں کی پنشن دربار اور خلعت کے اعزازات کی بحالی کے لیے کوشش کی تھی۔ ۲؎ معاملات کو سمجھ لینے کی بار بار تاکید سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا غالب کے نزدیک میرزا عباس بیگ زیادہ غور و توجہ کے عادی نہ تھے اسی لیے محمود بیگ کے خط میں انھیں، مست خود پرست لکھا ہے۔

خط سرنوشت بھی اچھا ہو۔

خدا کی قسم، تمہارے سہرے کے دیکھنے کی بہت خوشی تھی۔ مگر آ نہ سکا۔ اگر جیتا رہا اور اسباب نے مساعدت کی تو اکتوبر نومبر یعنی جاڑوں میں آؤں گا اور تم لوگوں کو دیکھوں گا۔ ۱۲

پھوڑا اب اچھا ہو گیا۔ خاطر جمع رکھو۔ چھ مہینے کے دن رات کی ٹیس نے جو روح تحلیل کی ہے۔ اب بڑھاپے میں وہ پھر کہاں سے آئے۔ بیٹا تیرے سر کی قسم، اگر میں لنگ باندھے ہوئے ننگا بیٹھا ہوں تو میری شکل آکھ کی بڑھیا کی سی ہوگی۔ شاید ہوا کے جھونکے سے اور جاؤں۔ جب مجھ کو دیکھو گے تب جانو گے کہ کیا حال ہے ۱۲

تمہارے چچا اللہ میاں کے مست خود پرست، بندے ہیں۔ بات ہے کچھ سمجھتے

ہیں کچھ۔ نہ اخبار کا مطلب سمجھے۔ میرا حال نہ میرا مقدر جو کچھ واقع ہوا اس کو سمجھے۔

اب میں نے ان کو ایک خط جداگانہ لکھا ہے۔ اپنی طرف سے اظہار خیال حال میں کوئی رقیقہ باقی نہیں رکھا۔ خدا کرے سمجھ جائیں لیکن مجھ کو توقع نہیں کہ سمجھیں۔

تم نے اپنی والدہ کی اور اپنی بھاوج کی اور خداداد[2] اور رفیع الدین[3] کی خیر و عافیت نہ لکھی۔ اب جو اس خط کا جواب لکھو تو ان سب کی خیر و عافیتیں لکھو۔ ۱۲

سہ شنبہ ۲۳۔ ذی قعدہ (۱۲۷۹ھ) غالب

۱۲۔ مئی سنہ حال (۱۸۶۳ء)

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

نامعلوم

(۱)

د یگر از خویشم خبر نبود تکلف برطرف
ایں قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

ہجوم غم سے فراغ نہیں۔ اگر چہ گوشہ نشیں دخانماں خراب ہوں۔ لیکن حسب رابطہ ازلی کثیر الاحباب ہوں۔ اطراف جوانب سے خطوط آتے ہیں۔ ادھر سے بھی ان کے جواب لکھے جاتے ہیں۔ جو اشعار واسطے اصلاح کے آتے ہیں بعد اصلاح بھیج دیے جاتے ہیں۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ میں نے انھیں۔ نہ انھوں نے مجھے دیکھا ہے، محبت دلی اور نسبت روحانی سہی۔ لیکن صاحب بلا دور دست کیا جانیں میرا کیا حال ہے؟ ہفتاد و یک سالہ عمر کی کتاب میں فصل آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس پندرہ برس سے ضعف سامعہ و قلت اشتہا رمیں مبتلا ہوا اور یہ دونوں علتیں روز افزوں رہیں۔ جس حافظہ کا بطلان

---

۱ شادی میں شرکت کی آرزو تھی۔ مگر بیماری کے باعث شرکت نہ ہو سکے ۲ میرزا خدا داد بیگ محمود بیگ کے بھائی تھے ۳ میرزا رفیع الدین بیگ وحشی تخلص۔ ان کا مختصر سا دیوان ایک مرتبہ چھپا تھا کمیاب ہے۔

علاوہ جوں عمر بڑھتی گئی۔ قصہ مختصر اب سامعہ کا حال یہ ہے کہ ایک تختہ کاغذ مع

دوات قلم سامنے دھرا رہتا ہے۔ جو دوست آتے ہیں پرسشِ مزاج کے سوا اور کچھ کہنا ہوتا ہے۔ وہ لکھ دیتے ہیں میں ان کی تحریر کا جواب زبانی دیتا ہوں۔

غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح آٹھ دس بادام کا شیرہ۔ سہ پہر کو سیر بھر گوشت کا پانی۔ دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب، نسیاں حد سے گزر گیا۔ رعشہ، دورانِ سر، ضعفِ بصر یا یارانِ نو آمدہ ہیں۔ میر تقی مرحوم کا مطلع ورد زبان ہے:

مشہور ہیں عالم میں ، مگر ہوں بھی کہیں کم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط کس میں یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آگے لیٹے لیٹے خط لکھتا تھا۔ اب رعشہ یوں بھی نہیں لکھنے دیتا۔

صاحب اکمل الاخبار اور صاحب اشرف الاخبار نے جو ہمیشہ مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں از روے مشاہدہ میر کلام کی تصدیق کر کے اس اعتذار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے۔ کل دیگر صاحبانِ مطبع اور راقمانِ اخبار گر اسی اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے تو فقیر ان کا احسان مند ہوگا۔

اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے کہ میرے احباب میرے حال سے اطلاع پائیں۔ اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہنچے تو تقاضا اور اگر نہ پہنچے تو شکایت نہ فرمائیں۔ میں دوستوں کی خدمت گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا۔ اور خوشی خوشنودی سے کام کرتا رہا۔ جب بالکل نکما ہو گیا۔ نہ حواس باقی رہے۔ نہ طاقت پھر اب کیا کروں، بقول خواجہ وزیر:

میں وفا کرتا ہوں لیکن دل وفا کرتا نہیں

اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال ہو تو خالصاً اللہ معاف فرمائیں۔ اگر جوان ہوتا تو احباب سے دعاے صحت کا طلبگار ہوتا۔ اب جو بوڑھا ہوں تو دعاے مغفرت کا خواہاں ہوں۔[1]

غالب

(۲)

قبلہ!

آپ سے رخصت ہو کر بھیگتا بھاگتا بھوکا، جاڑ اکھاتا پرسوں گیارہ بجے دن کے گھر پہنچا۔ اقربا و احباب کو زندہ صحیح سالم پایا۔ شکر اللہ۔ اب میں تندرست ہوں۔ اس سفر میں سراسر خستہ و رنجور رہا۔ تمام سفر اختتام رنج تھا گویا

کیا عرض کروں۔ غازی آباد شہر سے سات کوس ہے۔ شب کو وہیں مقام تھا۔ وہیں سے طبیعت اصلاح پر آنے لگی۔ قبض و انقباض رفع ہو گیا۔ صحت سے اعادہ طاقت حاصل ہے۔۱۲

---

[1] دیکھیے کمال تحریر۔ فرماتے ہیں کہ جوان ہوتا تو صحت کی آرزو ہوتی۔ بڑھاپے میں صحت کی آرزو کا کون سا محل ہے؟ اب تو چل چلاؤ ہے۔ زندگی کی منزل آج قطع ہوئی یا کل، اب صرف مغفرت کی دعا کا طلبگار رہوں۔[2] یہ خط جناب صفدر مرزا پوری نے رسالہ اردو میں چھپوا دیا تھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کے نام بھیجا گیا تھا

''قاطع برہان''، ''ثم درفش کاویانی'' کا پارسل پہنچتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو دیکھنا

اورغور سے دیکھنا۔جس طرح لطائف غیبی کو دیکھا ہے اس طرح نہ دیکھنا۔تم نقاد نقود معنی ۔ہوتم ہی داد نہ دو گے تو کون دے گا؟ یہ کتاب نہیں گنج اسرار حکمت ہے۔من قال سے قطع نظر قال کو دیکھو۔!

۱۱۔جنوری ۱۸۶۶ء بے دستگاہ اسد اللہ

(۳)

میاں،

وہ عرضی کا کاغذ افشاں کیا ہوا اور عرضی کا مسودہ میں نے جنگل کشور کو پرسوں دیدیا ہے۔تم نے بھی دیکھا ہوگا اور یقین ہے کہ وہ اپنے گھر میں اس کو لکھ رہے ہوں گے اگر تمہارے پاس آ جائیں تو انکو کہہ دینا کہ جلدی کریں اور نقشہ تحریر کا کاغذ سادہ مجھ کو اور تم کو کھلا لیں۔پھر اس کے موافق اور اس کو افشانی کاغذ پر لکھیں۔

زیادہ، زیادہ۲

۱۸۵۴ء غالب

(۴)

بندہ پرور!

آج میں نے دو انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔اس عنایت کے شکر میں کیا

خدمت بجالاتا۔ بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے۔

امید بہ تشدیم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے۔ تیسرے مصرع کا میم مشدد ہے۔[۳]

غالب

[۱] میرزا رام پور چلے تھے تو مراد آباد پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ پانچ دن مولوی محمد حسن خاں صدر الصدور کے ہاں ٹھہرے رہے۔ جب طبیعت سنبھل گئی تو چلے۔ اس خط سے معلوم ہوا کہ میرزا نے ۷۔ اور ۸ جنوری کی درمیانی شب غازی آباد میں گزاری۔

یہ خط پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے قلمی دیوان واقف (مکتوبہ ۱۸۱۷ء) کی جلد میں شامل ہے۔ دیوان میں کیوں کر شامل ہو گیا؟ دو صورتیں ذہن میں آتی ہیں یا تو یہ ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ یہ خط آیا اس نے دیوان کی جلد بندھوانے وقت اس خط کو بھی شامل کتاب کر لیا۔ تا کہ محفوظ رہے یا دیوان کا یہ نسخہ مکتوب الیہ کا تھا اور اس نے بغرض حفاظت یہ تدبیر اختیار کر لی۔ ایک صورت یہ بھی خیال میں آتی ہے کہ واقف کا دیوان میرزا کے پاس رہا اور انھوں نے خود خط دیوان کے کسی صاف ورق پر اس غرض سے نقل کر لیا ہو کہ اسے اردو مکاتیب کے مجموعے میں شامل کر دیں گے۔ جو اس زمانے میں زیر ترتیب تھا۔ لیکن یہ مفروضہ چنداں معقول نظر نہیں آتا۔[۲] ممکن ہے اس رقعے کا تعلق اس رقعے سے ہو عبدالحق کے نام لکھا ہے۔[۳] رباعی نہیں ملی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اردو میں تھی یا فارسی میں۔

(۵)

یہ سگ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے۔قول المامور معذور، کا پاس کرتا ہے۔ اور حضرت انجم فیض (کذا) سے التماس کرتا ہے کہ میں استفتا کے سزاوار نہ تھا۔ اور اب جو پوچھا گیا تو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ ومعما سے بیگانہ ہوں۔ دیوان جو تاریخیں مندرج ہیں بیشتر مادے اوروں کے اور قطعے فقیر کے ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہہ دیا ہوگا۔ ہاں حضرت مبدا فیاض نے گنجینہ معنی سے بہت کچھ حصہ مجکو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ، وغزل ومثنوی ورباعی میں صرف کیا۔ البتہ بزور قوت بداع مادہ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا۔

ز سال واقعہ مرزا مسیتا بیگ
مات راست شمار ائمہ امجاد
صحیفہ ہاے سمادی مبین از عشرات
حدیقہ ہاے بہشتی مشخص ازحاد

۱۲۴۸

ایضاً

از بروج سپہر جولئ مات
عشرات از کواکب سیار لے

۱۲۷۰

یہ دونوں قطعے کلیات فارسی منطبع مطبع اودھ اخبار لکھنو میں چھاپے گئے ہیں اور

وہ مجلد مجموع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا۔ جناب منشی حبیب اللہ خاں ذکا کے پاس ضرور ہوگا اوس میں مشاہدہ کیا جائے۔ اب بہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا، اوس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینہ کے سوا کبھی نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ تالے دراز کے چار سو عدد اورتا ہے۔ مدورہ کے پانچ عدد گنتا ہے۔ پس نہ جناب نواب صاحب وجیہ الدین خاں کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل و نحریر ہیں، کیا جواب دوں اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں۔ امید کہ حضرت طرفین بموجب مفہوم لایکلف اللہ نفسا وسعہا اس پیر ہفتاد و شش سالہ ضعیف الحواس کو عفو فرمائیں؟

جنگ بہادر نظام

الملک اسد اللہ خاں

نجم الدولہ دبیر

---

۱ تفضّل حسین خاں کی وفات کا قطعہ نیز مسیتا بیگ والا قطعہ کلیات نظم فارسی میں موجود ہے۔ تفضّل حسین خاں والے شعر سے ۱۲۷۰ نکلتے ہیں وفات ۱۲۷۱ کی ہے۔ میرزا نے لکھا ہے:

گفت آحاد، گفت شرمت باد

از خدا وند واحد القہاد

(۶)

کسی صاحب کے خط میں دو فارسی شعروں کا مطلب بیان کیا ہے:۔

شباہتے است مرآں را کہ بر نیامدہ است
وگرنہ موے بہ باریکی میان تو نیست

سب کمر بال باندھتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ استغفر اللہ بال کو کیا نسبت ہے کمر سے؟ کہ نظر آتی ہی نہیں۔ اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اگا اور نہیں نکلا اس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ۔

در صفحہ نبودم مہ آنچہ در دل است
در بزم کمتراست گل و درچمن بسے است

پھول باغ سے آیا کرتے ہیں۔ باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں۔ مجلسوں میں دس دس پانچ پانچ ہوتے ہونگے شاعر کہتا ہے کہ میرے مضامین پھول ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ انجمن ہے۔ مضامین اتنے ہی نہ تھے جو دیوان میں آ گئے۔ چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں۔

نامہ غالب

بنام میرزا رحیم بیگ

میرزا رحیم بیگ کے والد پیر بیگ دلی کے باشندے تھے، لیکن ترک وطن کر کے سروہنہ ضلع میرٹھ میں مقیم ہو گئے تھے۔ رحیم بیگ سردہنہ میں پیدا ہوئے۔ پھر میرٹھ چلے آئے اور حکیم بوعلی خاں سے علوم ضروری حاصل کیے۔ شاعری میں مولوی محمد بخش ناداں کے شاگرد ہوئے۔ ابتداء میں شرر تخلص کرتے تھے۔ پھر استاد کے مشورے سے رحیم تخلص اختیار کر لیا۔ (ادبی خطوط غالب'' و ''سخن شعرا'') کہتے تھے۔ ایک مثنوی دعوت حاتم'' کے نام سے اردو میں لکھی تھی، جو ۱۲۶۶ھ میں چھپی۔ اس کے کل ایک سو گیارہ شعر تھے۔ میں نے طبع دوم کا ایک نسخہ دیکھا ہے۔ آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے۔ میرٹھ میں معلمی ذریعہ کسب معاش تھا۔

انھوں نے۔ قاطع برہان کے جواب میں ساطع برہان لکھی تھی۔ جو ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) میں مطبع ہاشمی میں چھپی۔ اس کی ضخامت ۱۷۴ صفحے ہے۔ اسی کے جواب میں نامہ غالب لکھا گیا تھا۔ جس کے تین سو نسخے مطبع محمدی دہلی میں چھپوا کر میرزا نے اپنے دوستوں میں تقسیم کیے۔ بعد ازاں یہ نامہ اودھ اخبار کی دو اشاعتوں ۱۰، اکتوبر و ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء میں من وعن شائع ہو گیا۔ غرض یہ قاطع برہان کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نوراللہ قلبہ، بالاسر اردعینہ، بالا نوار،

سخنے چند گفتہ میشود:

نہ در منطق پارسی و دری

ہمیں ہندی سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ماسوی اللہ دستور ہے، مجھ کو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں، قصد مجادلہ نہیں۔ سرتاسر دوستانہ حکایت ہے۔ خاتمے میں ایک شکایت ہے۔ شکوہ دردمندانہ منافی شیوہ ادب نہیں، معہذا اظہار درد دل کی مراد ہے، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی[1] کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ ان کے حسن ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے استاد[2] کا نہ لکھا اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ بقول غالب، باکدام خرس درجوال شدہ ام، بہم کیے یا اور دو چار جگہ کلمہ توہین رقم کیے، میں نے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے پہلے فقرے کا

میر سعادت علی مولف مخرق قاطع یہ کتاب غالب کی کتاب قاطع برہان کے رد اور برہان قاطع کی تائید میں محرم الحرام ۱۲۸۰ھ (جون ۱۸۶۳ء) میں مکمل ہوئی اور مطبع احمدی میں چھپی تھی اس میں غالب کو جا بجا میرزا سد اللہ غالب لکھا گیا ہے۔ پورا نام میرزا اسد اللہ بیگ خاں تھا۔ خطابات شاہی اس کے علاوہ تھے۔ غالباً اسی بناپر میرزا نے شکوہ کیا کہ سعادت علی نے میرا آدھا نام لکھا۔ سید سعادت علی ریز

مفہوم یوں اپنے دلنشیں کیا کہ حضرت نے محمد حسین دکنی جامع برہان کو موافق میرے قول کے خرس یقین کیا یا خرس در جوال شدن عبارت ہے صحبت سے خواہی مدافعت کے واسطے ہو۔خواہی محبت سے مجھ اس کا قرب بسبیل آویزش ہے،تم کو اس کا قرب ازروے آمیزش ہے۔دوسرے فقرے کے معنی یہ ٹھہرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کو مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی اور وہ کوفت باعث دردِ دل ہوئی۔شدت درد میں آدمی چیختا ہے چلاتا ہے،ہاے وائے کرتا ہے غل مچاتا ہے،جیسا کہ سعدی بوستاں کی اس حکایت میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے:

شبے　　زیت　　فکرت　　ہمی　　سوختم

فرماتا ہے:

کہ　　ناچار　　فریاد　　خیزد　　زورد

جناب مرزا صاحب! کیا تم نہیں جانتے؟ بے شبہ جانتے ہوگے کہ اکابر امت کو امورِ دینی کیا کیا منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر دیگر پہنچتی ہے۔اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے شخص کا معتقد نہ ہوا۔یہاں تک کہ اس کی تحمیق بھی کی تو اور مدعیان علم وعقل اس مسکین کے جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں اور جب تک اس کا نقش ہستی صفحہ دہر سے نہ مٹائیں،آرام نہ پائیں۔ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے قاطع برہان میں لکھا ہے۔نہ اس کو سمجھتے ہیں اور جو کچھ آپ لکھتے ہیں نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں۔سوال دیگر جواب دیگر،پر مدار ہے۔خارج از بحث اقوال کی تکرار ہے۔برہان قاطع والے کی محبت سے دل بے قرار ہے فرط غیظ و

غضب ہے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی نہ ناظم ہے۔ نہ نثار ہے۔ بموجب اس مصرع کے:

مقتضائے طبیعت ایں است

ناچار تم کو معرض تحریر میں تحمل و تامل چاہیے۔ نہ سخن پروری و جانب داری میں تو خلل چاہیے۔ بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر پہلے تو یہ جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے۔

فرہنگ نگاراں زباں فارس

اگر چہ قاطع برہان، میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں سب ہندی نژار ہیں، ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدر تحصیل مسلم اور استاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں۔ جس نے چاہا ہے۔ اس نے استاد سے ان کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کے جو فرہنگ ان حضرات نے لکھے ہیں۔ مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور اس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے؟ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم و تعلم ہے۔ پھر کتب قواعد کے جا بجا حوالے ہیں۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کس نے لکھا ہے۔ اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضل عجم سے پڑھا ہے؟

شیدائے ہندی سیکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمتہ کے ایک شعر پر

اعتراض کیا ہے۔مرزا جلالائے طباطبائی

ا ملاشیدا شاہ جہاں کے عہد کا شاعر ہے۔قندھار میں پیدا ہوا۔پھر فتح پور سیکری میں مقیم ہوگیا۔اسی لیے (باقی صفحہ نمبر ۵۴۹ پر)

علیہ الرحمتہ نے شیدا کو خط لکھا ہے۔سر آغا خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا، قافیہ اور بر ساند ردیف ہے شعر اخیر کا مصرع زیادہ رہ گیا ہے۔

یعنی بہا دیو مقوی برساند

خلاصہ مضمون خط یہ کہ تو صاحب زبان نہیں ہے۔یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے۔حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ؟ کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور موتمن الدولہ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے؟ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔مولانا جمال الدین عرفیؒ نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہوا ہوں۔اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات، فارسی اور ترکیبیں سنتا رہا ہوں۔فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے۔وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے۔حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیر زالوں کا ہے۔ہائے تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلمرو ہند کے صاحب کمالوں کا ہے۔قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو۔مجرو تقدم زمانہ کا اعتبار دیکھو۔مانا کہ عرفی تحصیل علوم عربیہ میں ان سے کمتر ہے۔صاحب زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے۔کیا عرفی، کیا انوری کیا خاقانی ایک شیرازی، ایک خاوری، ایک شراوانی۔اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے۔

میری طرف سے جواب یہ ہے کہ بندہ ہندی مولد اور پارسی زبان ہے۔

ہر چہ از دستگہ پارس بہ یغما بردند
تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے۔ مشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی ماب ہیں، لیکن کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعوائے زبان دانی کے باب[۳] ہیں؟ رہے فرہنگ لکھنے والے، خدا ان کے بیچ سے نکالے، اشعار قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے۔ وہ بھی نہ کوئی ہمقدم، نہ کوئی ہمراہ بلکہ سو یسو پراگندہ و تباہ۔ رہنما ہو تو راہ بتائے۔ استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی، نہ استا اصفہانی، زہے رگ گردن و خہید عوائے زبان دانی، میرا یہ قول خاص ہے۔ نہ عام ہے مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں یہ کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۸ غالب نے اسے سیکروی لکھا ہے۔ اس نے قدسی کے ایک قصیدے پر اعتراضات کیے تھے۔ ۱۰۵۲ھ (۴۲-۱۶۴۱ء) میں وفات پائی۔ ۲ حاجی محمد جان مشہد کا باشندہ تھا۔ شاہجہان کے دربار سے گراں قدر صلے اور انعامات پاتا رہا، پادشاہ نامہ بھی نظم کیا تھا۔ ۱۶۴۶ء بعارضہ اسہال لاہور میں فوت ہوا۔ ۱ عرفی اور فیضی دونوں فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ عرفی شیراز سے آیا۔ پہلے حکیم ابوالفتح گیلانی سے بعد میں خانخاناں سے متعلق ہوا۔ ۱۵۹۱ء میں وفات پائی۔ فیضی اکبر کا مشیر اور شاعر خاص ۲ خاقانی و انوری فارسی کے مشہور اساتذہ ۳ درخور

ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیروی ہے؟قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاے برتری ہے تو بے چارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۳؎

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ لکھتا ہوں۔اگر خفا نہ ہو جاؤ گے۔تو خط اٹھاؤ گے جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں۔یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔تو بتو اور لباس درلباس وہم درو ہم اور قیاس درقیاس پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤ گے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا۔مغز نہ پاؤ گے۔فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ۔لباس ہی لباس دیکھو گے۔شخص معدوم فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو۔ورق ہی نظر آئیں گے۔معنی موہوم۔

ظرافت پر مدار تحقیق نہیں ہے۔آپ کے خاطر نشیں کرتا ہوں۔جو میرے دلنشیں ہے۔فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ ہے۔وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یاے اصلی کیا ہے۔اور یاے زائد کیا ہے۔حیران ہوں کہ اس کی جانب داری میں فائدہ کیا ہے؟خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں۔مگر دکنی کے جانب داروں کا چورنگ۴؎ ہوں۔مجھے جو چاہو سو کہو۔اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو؟کہیں جامع۵؎ لطائف غیبی کو برا کہتے ہو۔کہیں نگارندۂ دقایع ہذیان سے جھگڑتے ہو۔جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی،اس کی راے کی کجی۔اس کے قیاس کی غلطی،

اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو، مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اتنی محنت کرنی اور اس کے رفع تخطیہ کے واسطے توجیہات بارہ ڈھونڈھنی کس واسطے؟ ایسا اس کو کیا مانتے ہو؟ مجھ پر جدا منہ آتے ہو۔ مولوی نجف علی اور میاں دادخاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب، مغلچہ پن پر آ گئے۔ گوہار[8] لڑتے ہو۔

اپنی غلطیوں کا اعتراف

سچ ہے غالب آ گندہ گوش ہے کسی کی نہیں سنتا۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدے کے موافق بحلف کہتا ہوں کہ تم نے قاطع برہان و دافع ہذیان و لطائف غیبی کو ہرگز نہیں دیکھا۔ آویزہ و افسوس کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں دادخاں شرمسار[9] ہے۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا۔ وہ قول فیصل اور کافی ہے۔ مانیں یا نہ مانیں، ناظرین کو اختیار ہے۔

گلہری بکاف فارسی مکسور، بوزن اکہری، لغت ہندی الاصل، اس کی شرح میں جداگانہ ایک فصل کاف فارسی مکسور کی جگہ کاف عربی مفتوح، اعراب کا بوزن، تشتری وضوح، مجھے اور میرے دوست سیف الحق کو دو سہو طبعی پر استعداز،

---

[1] مولف فرہنگ رشیدی کا نام عبدالرشید تھا۔ ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا۔ وفات ۱۰۷۷ھ، ۱۶۶۶ء [2] مولف فرہنگ جہانگیری میں جس کا نام جمال الدین حسین اور وہ خاندان انجو سے تھا۔ وفات ۱۰۳۵ھ، ۱۶۲۶ء [3] یعنی فرخ سیر کے زمانے میں گزرا ہے۔ بلکہ عالمگیر کے زمانے میں بھی تھا۔ برتری کے قافیے کی رعایت سے فرخ سیر لکھا ہے۔

مطلب یہ کہ محض تقدم زمانی کوئی وجہ برتری نہیں۔ ۴؎ محمد حسین مولف برہان قاطع ۔ ۵؎ مقتول ومجروح ۶؎ یہ کتاب خود غالب نے لکھی تھی لیکن اپنے شاگرد میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھاپی اور اسے سیف الحق خطاب دیا۔

۷؎ مولوی نجف علی جنھوں نے غالب کی تائید اور محرق کے رو میں، دافع ہذیان لکھی تھی۔ ۸؎ یعنی ایک آدمی کا بہت سے آدمیوں سے لڑنا۔ ۹؎ ملاحظہ ہو لطائف غیبی صفحہ ۱۲۔

ہوا خواہان یو ہردکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار، فاعتبروا یا اولی الابصار،

''خرہ بے داؤ بہ معنی نور اور خورہ الوداہ بہ معنی جذام، ویزہ بہ معنی پاک اور آویزہ بہ معنی ناپاک ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور منظور، گویا یہ مصرع جو حمد میں ہے:

کند　　ہرچہ　　خواہد　　بروحکم　　نیست

اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے۔ چشم بدوراب چاہیے کہ اسکو پوجنے والے اسکے نام کے بعد جل جلالہ لکھیں اور اگر اتنی جرات نہ کریں تو نظر بافادہ استادہ عم نوالہ لکھیں۔ ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا، جمعیت کم تفرقہ زیادہ اور پھر خودداری اور کسر نفس اور استغنا خداداد، بےہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں۔ پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ وحرف بحرف کروں؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے۔ خوردہ گیری وعیب جوئی سے، مجھ کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ گوئی سے۔ آپ کے حسن کلمات طیبات سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موجودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں۔

لفظ صیحہ

صیحہ بہ معنی آواز اسپ زینہار نیست۔" اس کے بیچ ہونے میں کیا کلام ہے۔ جو صیحہ سے آواز اسپ مراد رکھے۔وہ ناقص ہے اور خام ہے۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر تمہارا ذہن وقاد نقاد وہاں جالڑا؟ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور بازپرس میں پکڑا جائے! تمہارا محبوب بوہرہ دکنی شین منقوط مع التحتانی کے بیان میں شیہہ کو گھوڑے کے ہنہنانے کی فارسی بتاتا ہے۔عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو صہیل بوزن دلیل کہتے ہیں۔صیحہ بوزن بیضہ عموما بہ معنی ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے۔ میں کیوں کر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں اور کیوں کر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں؟ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جماد و نبات فرض کر لوں۔ جرم و خطاے یوغ برگردن بندگان جناب است۔، میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں۔ بعد اس کے تبدیل جیم بہ تحتانی کو ناممنوع کہتا ہوں۔ یعقوب کو تغیر لہجہ انگریزی زبان میں، جاکوب کہتے ہیں۔ کہاں مبدل منہ، کہاں تغیر لہجہ، حضرت آپ جو کہتے ہیں۔ خوب کہتے ہیں۔کووک کو ترجمہ طفل نہیں جانتے اور پھر خاتمہ میں ریدگان بصیغہ جمع لکھواتے ہیں۔واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیروبصر نہیں بلکہ ازروے سمع لکھواتے ہو (ساطع برہان صفحہ ۱۷۳)۔

استغاثہ

خط تمام ہوا، اب مستغیث کی عرضی سماعت ہو۔لیکن سماعت از روے انصاف بالاے طاعت ہو۔عرضی گزرانتے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمہ عالیہ کا سر رشتہ دار دیانت دار ہے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امیں نہ ہو۔

---

[1] یہ میرزا رحیم بیگ کا فقرہ ہے ساطع برہان صفحہ ۱۷۰) غالب نے اعتراض کیا تھا کہ یوغ کو جوغ بھی لکھا گیا ہے۔میرزا رحیم بیگ نے کہا کہ ی ج سے بدل جاتی ہے اور اعتراض خطا ہے۔

دلیل سن لیجیے اگر یقین نہ ہو۔

صیحہ بہ معنی آواز اسپ زنہار نیست، اس کے ماقبل اور بھی عبارت ہے۔سنانے والے نے نہ پڑھی ہو، کتنا بعید ہے کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم[1] پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں، مگر جمال الدین عرفی شیرازیؒ کا شعر بہ تتبع کاتب غلط لکھوا دینا۔تم سے ایسا بعید ہے۔انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو؟ انشا و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو؟ تقصیر معاف، یہ نہ استنا[1] کلام عرفی عالی مراتب ہے، بلکہ پیروی خامہ کج رفتار کاتب ہے۔

اپنی حالت

کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ ، نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراغ ، آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری تھی تو یہ اپنا شعر اردو میرے درد زبان اور اس ہنجار سے میں زمزمہ سنج فغاں رہتا تھا:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو اصلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی نہ سمجھے کر بڑا رونا رزق کا ہے ۔ جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے؟ نہ صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا ، پانی پی لیا اور چین سے سو رہے ۔ آدمی عموما اور صاحبان ننگ و ناموس خصوصا باوجود فراغ معاش ایسی جاں گداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے ۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے ۔ دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا جانے؟ مناظرے کا تو ہر گز ارادہ نہیں ۔ اگر مردہ دل نہ ہوتا تو باتیں کہتا ۔ زیادہ نہیں ، وہ بھی نہ از روے بحث و تکرار ، نہ بہ انداز استفسار ، اظہار سے مقصود نفس اظہار ۔

مولانا صہبائی

یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے ، کتنے محققین نے

آپ کو اپنا امام بنا لیا ہے۔ جب تک نہ اجماع محققین کا ہو گا یہ خطاب یا جماع اہل عقل نا جائز و نا روا ہو گا۔ وہ فرمانروائے عہد، شہنشاہ کہلائے گا۔ کئی بادشاہ جس کے فرماں پذیر ہو جائیں گے۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا۔ یہ میر شہنشاہ، صاحب کیوں کر شاہجہان و جہانگیر ہو جائیں گے؟ اگر حضرت لفظ قاف ثانی بصیغہ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور رزائن تنبولی دوسرا ہوتا۔

ساطع برہان کی غلطیاں

"ساطع برہان" کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں: "و ہیچیں بر افراط و تفریط توضیع را

---

[1] یہ اشارہ غالباً غنیمت کنجاہی مصنف نیرنگ عشق کی طرف ہے۔ وفات ۱۱۵۸، ۱۷۴۵ء

کار بند نشدہ اند کہ بداں حرف تو اند کرد۔ تو اند تو انستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غیب ہے۔ فاعل چاہتا ہے۔ خواہی معرفہ جیسے احمد، محمود، خواہی نکرہ جیسے بہماں، کسے یا شخصے، مرید یا زنے اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں تو اں کرد چاہیے کہ تو اں، مالم یسم فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں، ہاں از روئے حسن عقیدت کہتا ہوں کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ کسے بداں حرف گیری تو اند کرد، یا تو اند کی جگہ تو اں، رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اٹھا

لیا۔

آب دہ دست

"او اسد اللہ واد خواہ جلد اور اپنی عرضی لا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں، پھر سر رشتہ دار صاحب بکمال امانت و دیانت عرضی سنا دیں۔"

ا۔ عبارت برہان قاطع:

آب دو دست بکسر وال ابجد وہاے ہوز، اشارہ بحضرت رسول صلوت اللہ علیہا ست خصوصاو شخصے رانیز گو بند کہ بزرگ مجلس بود، آرایش صدر زینت ازو باشد عموما۔

۲۔ عبارت قاطع برہان:

"از خامی عبارت چشم می پوشم وی خروشم کہ، آب وہ دست مرکب از آب ودہ کہ صیغہ امر است از دادن دوت کہ باوجود معانی دیگر مسند رانیز گویند، معنی ترکیبی، رونق دہندہ مسند، ہر آئینہ تا مسندر الطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگرو انند بمقام نعت فرد۔ نیا رند، بلکہ در مدح اکابر صدو رنیز بے اضافہ، لفظ امارت و شوکت وامثال ایہنا نہ نگارند، نہ بنی کہ تنہا آب وہ دوست افادہ بمعنی شو یا نند دست

مے کند، واں خود اہا نتے ست قبیح، بے چارہ در نظم ونثر لغت آب دہ دست رسالت دیدہ است ونیمہ مضمون را لغت اندیشیدہ است۔

۳۔عبارت سا طع برہان:

آب دہ دست خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب میرزاے من باشد، کور سوادے ہمچو من گفتہ باشد، بخاطر داشت آں درج کتاب کرو، ورنہ ایں کنایہ قابل اعتراض نیست چہ آب دوست، جملہ ترکیبی ست۔ دست کہ در عربی و فارسی بمعنی مسند ست، مضاف ومضاف الیہ مخدوف باید دانست بلکہ کلامیست مستقل مترادف بالا دست کہ معنی صدر قہ سند و بزرگ قوم باشد، صاحب موید الفضلا در لغت فارسیہ ایں لغت را سند دو کتاب کہ اوات وقنیہ اباشد، ہمیں صورت وصحت ہمیں نگاشت دور، مدار، نیز وہ صاحب، رشیدی آوردہ کہ آب دہ دست بہ معنی بزرگ مجلس ومعنی ترکیبی آں رونق وہ صدور مسند۔

قولہ بیچارہ در نظم ونثر لغت آب دو دست رسالت، دیدہ نیمہ مضمون را لغت اندیشدہ است انتہی قول جامع ایں کنایہ را در نظم ونثر بے اضافہ رسالت، دیدہ است وہمچناں در رشتہ تحریر کشیدہ است، خاقانی گوید:

دست آب دہ مجاو رانش
ارزن وہ برج کوترانش

تبصرہ پس گردان جناب اگر فراموش نکند ورشرح کنایہ ماہی چشمہ خضر در باب المیم جویند کہ میگویند کہ آب وہ دست استعارہ برائے، آنحضرت ﷺ از خاقانی

خالی از کاکت نیست، وای بریں عقیدت کہ اورا بہ پیمبری برداشتہ باز بہ نسبت

لواوات الفضلا اور قنیۃ الطالبین، لغت کی دو کتابیں ہیں جو دار الافاضل کتاب لغت

رکاکت سرنگوں انداختند،

۴۔ عبارت برہان قاطع:

ماہو چی شمہ خضر کنایا از زبان ودہان معشق است ۔

۵۔ قاطع برہان:

یارب ماہو چی شمہ خضر کدام لغت است من درکتاب منطبعہ بدیں صورت،

دیدہ ام:

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

درضمیر میگزرد کہ ماہی چشمہ خضر خواہد بود وآں خود مضمونیست بطریق استعارہ بالکنایہ کہ سخنور بسا خون جگر خوردہ باشد تا ور نظم ونثر خویش آوردہ باشد، پس ہر کہ ایں را در گفتار خویش آرد سرقہ خواہد بود، از لغات مستقلہ وکنایہ ہاے مشہورہ نیست کہ بکار دبیران روزگار، آید، شیر خدا کہ ترجمہ اسد اللہ است گوئی یکی از نامہاے جناب ولایت پناہ است، صد ہزار کس درکلام خویش آوردہ باشد سرقہ نیست، دکنی وربحث شین مع الیا شیر، شرزہ غالب، اسم حضرت امیر علیہ السلام نوشتہ وآں مضمونے ست کہ خاقانی اور قصیدہ قسمیہ بھر ساندہ، شیر شرزہ، خود صفتیست عام کہ بر ہر مرد شجاع

وسرہنگ جنگ جو اطلاق تواں کردہ، غاب بمعنے بیشہ و نیستاں است، ہر آئینہ ایں صفت نہ سزا وار لشان اسد اللہی باشد، خاقانی خود بطریق تنزل گفتہ است ایں چنیں صفت اسم کسے کے بعد از خدا و رسول ﷺ او را بہ بزرگی تواں ستود، چگونہ روتواند بود، ہمچنیں آب وہ دست و رباب الف ممدوہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوۃ اللہ علیہ قرار دادہ است و ایں الفظیست ورغایت رکاکت، صفت لفظ پس غالب منع کرتا ہے۔ برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آنحضرت ﷺ کے حق میں صرف نہ کرچناں کہ ہمدراں فصل مفصل نوتہ ایم، مقصود ما انیست کہ ایں چنیں مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار دیا بدو جز در شرح اشعارے کہ حاوی ایں کلمات باشد، چرا نگارش پذیرد، اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

''آپ ترجمہ ماء کا ہندی جس کی پانی اور بمعنی رونق و لطف بھی آتا ہے۔ اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ دست ترجمہ ید ہے جس کی ہندی ہاتھ اور یہ بہ معنی قسم و نوع اور اور بہ معنی مسند بھی مستعمل ہے۔ ہم کو اس مقام میں آپ بمعنی پانی اور دست بمعنی ہاتھ اور اس کی ترکیب یعنی آب و دست اور اسکی مقلوب یعنی دست آب کے باب میں کلام ہے۔ آب دست بحرکت وسکون موحدہ عموماً ترجمہ غسالہ ید ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔ تعیم کی سند استاد کا شعر:

بے تکلف رد بساقی کن اگر دل خستہ
کا بدست او شفا بخش ہمہ بیمار ہا مست

تخصیص کی سند نام حق کی بیت:

آبدست و نماز باید کرد

دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں۔ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس آب و دست اور دست آب وہ کے معنی وضو کرانے والا، ہاتھ دھلانے والا، آب بہ معنی رونق اور دست بہ معنی مسند کا یہاں اوخال محض جہل اور صرف اہمال۔

یہ تو میرا قول ہے کہ اب دہ دست رسالت، رسول ﷺ کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط ''آب دہ دست'' کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم، اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ میر زا رحیم بیگ صاحب! افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں، قاطع برہان، والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ والہ اسلام کی تذلیل او رتوہین ہے اور جو پیمبر کو ایسا کہے۔ وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی، جو مسلمان اپنے پیمبر کو برا کہے۔ اسکو برا جانیں گے۔ یقین ہے۔ پس پیمبر کا آب دوست نام رکھنے والا مورد لعنۃ اللہ و ملائکۃ والناس اجمعین ہے۔

اشعار خاقانی کی شرح

خاقانی کے شعر لکھنے سے آپ کی مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے پہلے پوچھتا ہوں کہ دست آبدہ کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آنحضرت ﷺ کا نشان اس میں بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا؟ جب اس مصرع کے رو سے:

دست آب وہ مجاورانش

دست آب وہ پیمبر ﷺ کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق:

ارزن وہ برج کوترانش

''ارزن وہ'' کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا سبحان اللہ، جہاں مصطفیٰ ومجتبیٰ للعلمین و خاتم المرسلین ﷺ آپ کے القاب ہیں وہاں ''آب دہ دست'' بھی آپ کا لقب ٹھہرایا۔ میرزا جی میں ترک جاہل ہوں۔ بجا ہے۔ اگر مجھ کو گالیاں ازروے عتاب دو گے۔ خدا کے واسطے پیمبر ﷺ کو کیا جواب دو گے؟

بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے:

روح ازپئے آبروے خور را

خلد از پئے رنگ و بوے خودرا

دست آب وہ مجا دارنش

ارزن جوہ برج کوترانش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں را لفظ زاید، پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق، نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے۔ روح ازپئے آبروے خود دست آب وہ مجاوران اوست وخلد ازپی رنگ وبوے خود ارزن وہ کبوتران اوست۔ یہ دونوں شعر کعبہ معظمہ کی تعریف میں اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع، اس اظہار کی تصدیق ''تحفتہ العراقین'' سے کیجئے او رہندی کی چندی غالب سے سن لیجئے۔

روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے۔ کعبہ کے مجاوروں کو اور

خلد اخذ رنگ وبو کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبہ کے کبوتروں کو۔ وضو کا پانی دیتا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنی خدمت ہے۔ خدا کے واسطے مخدوم کونین ﷺ کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے۔ معہذا خاقانی کے مصرع سے دست آبدہ پیمبر ﷺ کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاقانی نے روح کو آبدست وہ کا فاعل مانا، تم نے پیمبر ﷺ کو معا اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز جانا؟

''قافلہ شد''یعنی'' قافلہ رفت ''یعنی'' قافلہ سالار رفت، یعنی رسول مقبول ﷺ رحلت کرو''۔ قاف مع الالف''میں کلام اسی مستہین رسول ﷺ کا ہے۔ دست آبدہ کی شرح میں تحقیر اور قافلہ شد میں استہزا ہے۔ برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھا ہے تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے اب میرے خونابہ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھیے۔

تبصرہ مندرجہ حاشیہ ساطع برہان کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرہ اخیر کو بازو وتشیخ رکاکت سر انداختند کس کا لکھا بتاتے ہو؟

مولوی فضل حق خیرآبادی کا بیان

سنو، فخر الفضلا و ختم العلما امیر الدولہ مولوی محمد فضل حقؒ نے ردعقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں ہیں اس رسالے میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی۔ حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپ کی ردا میلی تھی۔

اگر اس وقت میں ہو، لیکن چونکہ ایک گونہ سوادب اور اہانت ہے۔ حاکم اہل سلام دارالحرب ہے۔ پس موجب فتوائے علمائے اسلام فقرہ مذکور کا لکھنے والا کفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب سے سوا ہے۔ خیر عقبیٰ میں خالق کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا مطعون ہوگا، مجھ کو کیا؟ مجھے تم پر ہنسی آتی ہے۔ بعض بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو آبدست دہ مجاوران حرم کہتا ہے تم کہتے ہو کہ خاقانی ، دست آبدہ، اسم پیغمبر ﷺ کہتا ہے۔ میں نے اس کے سوا کہ خاقانی بطریق تنزل گفتہ است، اور کیا کہا ہے جو مجھے برا کہتے ہو؟ وہ بھی ز کر شیر شرزہ غاب میں نہ دست آب دہ کے باب میں، اس نے جناب امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا۔ میں نے قبول نہ کیا اور اس کے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ آنحضرت کو اسنے آب دہ دست یا دست آب وہ لکھا اور کیوں لکھتا؟ نہ احمق تھا۔ نہ بے ادب، جب اسنے نہیں لکھا تو اس سے کیوں الجھوں اور کب الجھا؟ نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔

آب وہ دست کے پردے کھل گئے۔ بے اضافہ لفظ آ کر دست بمعنی مسند نہ آئے گا۔ آب دہ دست ہاتھ دھلانے والا کہلائے گا۔ ہاں ایک طور ہے تم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے۔ میں بطریق ابلغ و احسن لکھتا ہوں۔ یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور وسادہ و مسند کے جلوس کے واسطے موضوع ہے نظر اس اصل پر سلطان کو زیب افزائے اورنگ بے اضافہ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند بے افزایش لفظ امارت لکھو۔ انبیاء خصوصا سید الانبیا ﷺ مسند پر کب بیٹھے تھے؟ ان کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمہ الفقر فخری بلند آہنگ ہے۔

میرے خداوند کا فرش حصیر، نمد گلیم، روائے صحابہ، سطح خاک، میں مومن مجرم اپنے اس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگر چہ مدح مجمل ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن قول فیصل ہے: آبدہ دست و زینت بخش مسند کیوں کر سمجھوں بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح و طبع سلیم گوارا نہ کریں گے وہ صفت عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے۔ قبلہ دین و دنیا پر صادق آئے، دکنی اور اس کے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔

ایہا لاخ المکرّم فضلہ خوار جواب ہے پس گردان، جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں۔ یقین کہ آپ نے اب تو از روے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا۔ اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری عسس المحققین خطاب دیا ہو گا۔ جانتا اس امر کا کہ آب وہ دست میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر ﷺ سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بمعنی رونق اور دست کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت ﷺ کو اس ترکیب کا مشار الیہ سمجھنا کیسی بو العجبی ہے۔ آبدہ دست۔'' رونق بخش مسند صفت ہے عموما منعمان مالدار کی، یہاں تک کہ اس اصطلاح سے تعریف کر سکتے ہیں حرافاں و ساہو کاران بلا دوامصار کی۔

ختم کلام

میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں۔ پیغمبر ﷺ کی

تحقیر کو مسلم رکھتے ہو۔ تم جانو اور سید ابرار ﷺ خاقانی پر بہتان کرتے ہو، تم جانو اور وہ میدان معنی کا شہسوار، مجھ کو جس قدر تم نے لکھا ہے یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے۔ معقول اور راست نہیں، لیکن واللہ مجھ کو عرضہ محشر میں اسکی بازخواست نہیں:

زیمن عشق بکو نین صلح کل کرویم
تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

دیباچے اور تقریظیں

(۱)

دیباچہ سراج المعرفت

(مولفہ سید رحمت اللہ خاں بہادر)

سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعوی! حمد و شکر کی گزارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں فکر اور نطق اور یہ دونوں قوتیں موہبتی ہیں۔ بخشی ہوئی دستگاہ پر خود نمائی اور پھر اسی بخشنے والے کے آگے کیسی تنگ ظرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی۔ اس صورت میں ادائے حق حمد کے تو کیا معنی، مگر وہاں حمد کرنے والا بقدر توفیق حمد شایستہ آفریں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ توفیق نتیجہ کشت و کار ہے۔ البتہ عطیہ پروردگار ہے۔ قدرت حمد اس نے پیدا کی، توفیق حمد اس نے عطا کی، جبکہ آدمی حمد کا عازم ہو تو سپاس عطیہ توفیق کیوں نہ لازم ہو؟ ہاں اے حق شناس اگر تجھ کو شعور ہے، عطیہ توفیق شکر پر ایک اور شکر ضرور ہے:

گر کسے شکر حق فزوں گوید
شکر توفیق شکر چوں گوید

حق یوں ہے کہ حقیقت از روے مثال ایک نامہ درہم پیچیدہ سر بستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے لاموثر فی الوجود الا اللہ اور خط میں مندرج ہے لاموجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور ﷺ ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی۔

ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید رچار ہیں۔ آثاری و افعالی وصفاتی، و ذاتی، انبیاے پیشین صلوات اللہ علی نبینا وعلیہم، اعلان مدارج توحید سہ گانہ مامور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھاویں اور حقیقت نیرنگی ذات کی صورت الان کما کان میں دکھا دیں اب گنجینہ معرفت خواص امت محمدیہ کا سینہ ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے، زہے خامی عامہ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود، جو اصل مقصود ہے۔ وہ ان کی نظر میں نہیں۔ جب لا اللہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے۔ اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آ رہیں گے۔ یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل ﷺ کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی ﷺ کی اور یہی معنی ہیں رحمۃ للعلمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔

قلم اگر چہ دیکھنے میں دو زبان ہے، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے۔ گفتگو ے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے، کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے۔ نبی ﷺ کی حقیقت ذو جہتین ہے۔ ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق جس کو فیض پہنچاتا ہے:

نبی ﷺ را دو جہ ہ است دلجوے خلق
یکے سوے خالق، یکے سوے خلق
بداں وجہ از حق بود مستفیض
بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایہ افضل من النبوۃ معنی اس کے صاف از روے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے۔ افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے۔ جس طرح نبی ﷺ مستفیض ہے حضرت الوہیت سے۔ اسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے مستنیر کی تفصیل منیر پر اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہر گز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی ﷺ تھی۔ نبوت کے ساتھ منقطع ہوگئی۔ مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے۔ مشکوۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے نقل وتحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور صبح قیامت تک روشن رہے گا اور اب اس کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت۔ ولایت وہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو از روے کلمہ لا الہ اللہ مشہود عیون اعیان امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے۔ مگر وہ بات اب کہاں؟ کہ ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ قائل لا الہ الا اللہ کو، اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو۔ قدم گاہ توحید پر قائم کرے، یعنی رسول مقبول واجب التعظیم، قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم، اب سعادت بقدر ارادت ہے اور راحت بعد جراحت، سچ بھی تو ہے آدمی کیوں کر سمجھ سکے۔ اور

بطلان بدیہیات کے جواز پر اس کو کیوں کر تسلی ہو؟ یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں ۔نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے ۔

اے کردہ با آرایش گفتار بسیچ
در زلف سخن کشودہ را خم و پیچ
عالم کہ تو چیز دیگرش مے دانی
ذاتیست بسیط منبسط دیگر ہیچ

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطبائے روحانی ہیں ، دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور بہ سبب استیلائے وہم مشاہدہ وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں ۔ ہر چند ان کو سمجھائیں گے ، راہ پر نہ آئیں گے ۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کیے تاکہ قوت متخیلہ اس میں الجھی رہے اور رفتہ رفتہ بے خودی طاری ہو جائے ۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بہ جبر ، پایہ تکلف ثابت کیا چاہتے ہوں :

دانی ہمہ اوست ، ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے ۔ پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا ۔ بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری و پیکر تراشی سے معزول ہو گیا ۔ بے خبری و بے خودی چھا گئی اور ہو کیفیت جو موحدین کو بجز و فہم حاصل ہوتی ہے ۔ اس شاغل کے نفس کو بے خودی میں آ گئی ۔ ایک دریا میں جان کر کودا ۔ ایک کو کسی نے غافل کر کے دھکیل دیا ۔ انجام دونوں کا

ایک ہے۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کو کہ یہ کسب حالت بے خودی کے واسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں بہت بلکہ بے شمار ہیں۔ حق سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے حضرت شہنشاہی، حق شناس، حق آگاہ سراج الملتہ والدین ابوظفر بہادر شاہ کو جو لباس بادشاہی میں یاد الٰہی کر رہے ہیں۔

شاہی و درویشی ایں جا باہم است
بادشاہِ عہد قطبِ عالم است

حکیم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب افادیت مآب، معرفت نصاب، مجمع البحرین شرح و عرفان قران السعدین عقل و ایمان، ابوحنیفہ ثانی، سراج العلماء، ضیاء الفقہا ء مولانا سید رحمت علی خان بہادر کو اور فرمایا ہے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوس نزولی نبوت و ابتدائے قوس عروجی ولایت یعنی عہد جناب رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بسینہ و ہم سفینہ بسفینہ چلے آئے ہیں۔ ان کو ایک رسالے میں درج کریں اور اس رسالے کی تحریر میں وہ عبارت اردو کہ صاف اور بے تکلف ہو، خرچ کریں۔ کیوں نہ ارباب فہم اس راز داری پر قربان ہو جائیں کہ مجموع اشغال و اذکار زبان حقیقت ترجمان سے فرمائے ہیں اور حکم دیا ہے کہ ان کو وابستہ بسلاسل فقر او معقول من رسائل العرفا تحریر کریں۔ قضارا یہ ترک کج مج زبان، اسد اللہ خان ہیچمدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب ہوس ہائے خام ہے۔ اس رسالہ کے مشاہدے سے مستفیض ہوا۔ جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیے اور پھر میں برگ و ساز کروں اور عزم سفر حجاز کروں

زمزم کے پانی سے وضو کروں اور اس کاشانہ ملائک آشیانہ کے گرد پھروں اور حجر اسود کو چوموں اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ جاؤں اور خاک تربت اطہر کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤں۔ بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانہ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ یہ گنہ گار وہاں جاوے اور اگر زیست ہے تو وہاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے، بخشوا کر پھر آوے۔

غالب ہوائے کعبہ بسرم جا گرفتہ است
رفت آنکہ عزم خلخ و نوشاد کردمے

(۲)

دیباچہ حدایق الانظار

(مولفہ خواجہ بدرالدین امان)

سبحان اللہ، شاہد زیبائے سخن کا حسن بے مثال، مشاہدہ اس کا نور افزائے نگاہ، تصور اس کا انجمن افروز خیال، از روے لفظ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جمال من حیث المعنی صورت صنعت قلب کلام کا مقلوب یعنی کمال، اگر

ال کیا یہ سمجھا جائے کہ یہ تحریر ۱۲۶۹ یا ۱۲۷۰ کی ہے۔ (۱۸۵۲۔۱۸۵۳)؟ میرزا

چاہتے تھے کہ دو سال کی تنخواہ مل جائے تو وہ حج کے لیے چلے جائیں۔ اردو دیوان میں فرماتے ہیں:

غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

معلوم ہے کہ ایک مرتبہ ابوظفر بہادر شاہ مرحوم نے بھی حج کا ارادہ کیا تھا۔ غالبا یہ ارادہ ۱۸۵۲۔۱۸۵۳ء میں کیا ہو اور اسی زمانے میں میرزا نے ساتھ لے جانے کی آرزو کی۔ نفس ناطقہ کی حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں کیوں کر کہیں کہ کیا ہوتا؟ اس بعثت دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکر ہوش ربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے۔ نظم میں اور ہی روپ نثر میں اور ہی ڈھنگ فارسی اور ہی زمزمہ، اردو میں اور ہی آہنگ۔ سیر و تواریخ میں وہ کچھ دیکھو، جو تم سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا۔ افسانہ دواستان میں وہ کچھ سنو کبھی کسی نے نہ دیکھا نہ سنا۔

ہر چند خردمند بیدار مغز تواریخ کی طرف مائل ہوں گے۔ لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہوں گے۔ کیا تواریخ ممتنع الوقوع حکایات نہیں؟ ناانصافی کرتے ہو، یہ کچھ بات نہیں۔ سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے، سیمرغ اس کو اپنے گھر نسلے میں اٹھا لائے۔ پرورش کر کے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم، اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے۔ زال اس اسم بے مسمی کو بلائے۔ سیمرغ گرداں کبوتر کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کی لیپ سے یا اور کسی دوا سے رستم کے زخم

اچھے کر کے، ایک تر دوشاخہ دے کر تشریف لے جائے، رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے۔ جب چشم بدور، جوان ہو دیو سپید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعوائے خدائی مشہور ہے۔ شداد نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مزکور ہے۔ اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ دیوکش رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمرد شاہ گمراہ دعوائے خدائی کرنے والا مثل نمرود گھڑ ڈالیں۔ گو ایک ڈھکوسلا بنایا ہے۔ انھیں روایات کا چربہ اٹھایا ہے۔ مگر اچھا اٹھایا ہے۔ موعظمت و پند نہیں۔ ترہات ندیمانہ ہے۔ سیر و اخبار نہیں، جھوٹا افسانہ ہے۔ داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے۔ سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے۔ عمرو کی عیاریاں دیکھو، حمزہ کی میداں، داریاں دیکھو۔

جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران ہے مگر وہ میر تقی، محمد شاہی جوندیم موتمن الدولہ اسحٰق خاں کا ہے، گویا باغ ارم کو ہندوستان میں اٹھا لایا۔ اس نے بوستان خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ، واہ ری بزم و زم و سحر و طلسم اور حسن عشق کی گرمی ہنگامہ، معز الدین کی طلسم کشائیاں اگر سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو ڈھونڈتے پھریں اور کہیں پتا نہ پائیں۔ ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں۔ تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو کہ زبردستی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔

درین ولا میر ابراہ رزادہ سعادت تو اماں خوانہ بدرالدین عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیاں تیز ہوش ہے۔ اور ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سخت کش و سخت کوش ہے۔ ستار کا جو خیال آیا ایسا بجایا کہ میاں تان سین کو انگلیوں پر نچایا۔

مصوری کی طرف جوطبیعت آئی، وہ تصویر کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت ہوئی۔ اس اقبال کا آثار کا یہ ارادہ ہوا۔ معز نامہ کی فارسی نثر کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا۔ معز الدین فیروز بخت کی کشور کشائیاں، ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیاں عجائبات حکیم قطاس کی حیرت افزائیاں، ملکہ نو بہار کی رنگین ادائیاں، جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں ضار منکوس منحوس کی بے حیائیاں، مسلمین و کفار کی لڑائیاں، مسلمانوں کی بھلائیاں، کافروں کی برائیاں۔ فارسی سے اردو میں لے آیا۔ یوں تصور کرو کہ قلمرو اردو میں ایک قصر و دلکشا یا ایک خانہ باغ روح افزا سرتاسر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے۔ گویا تقریر کو پیرایہ تحریر دیا ہے۔ بعد اختتام نگارش غالب فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی۔ میں نے ہرچند عجز آمیز و معذرت انگیز گفتگو کی۔ بیداوگر نے ایک بات نہ سنی۔ ایک عذر نہ مانا۔ بھلا اس اصرار کا کیا علاج؟ اس ضد کا کیا ٹھکانا؟ بھتیجا اور پیارا بھتیجا۔ ناچار بجز خامہ فرسائی کے کچھ نہ بن آئی۔ اس دیباچہ کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح کو سیدھا چلا گیا اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا۔ اسی شعر شعری شعار کو خاتمہ میں لکھے دیتا ہوں۔ بہت تنگ آ گیا ہوں اب دم لیتا ہوں۔

شکر کہ ایں نامہ بعنواں رسید
بیشتر ازعمر بپایاں رسید
ومن اللہ التوفیق وھو خیرالرفیق

(۳)

تقریظ بر کتاب بہادر شاہ ثانی

اللہ اللہ! نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امور دینی میں سے کس امر کا شہود او مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکہ اگر بمثل اسم اعظم فرض کیجئے تو اس کی بھی نمود، جب تک اس لطیفہ غیبی کا شمول نہ ہو، عالم امکان میں ممکن نہیں۔

سخن راز ازاں دوست وارم کہ دوست
بہ تصدیق از ما طلبگا رادست

مسائل حکیمانہ کی ہستی، ترہات ندیمانہ کی مستی، درد و در ماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسون کے مقاصد کا مدار، شکر و شکایت کا عنوان، نفریں و آفریں کا بیاں۔ رد و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت، صرف و نحو کی راز دانی، لفظ و معنی کی گلفشانی جو کچھ اگلوں نے کہا ہے۔ جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے۔ جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے۔ جو کچھ نیک و بد نو دکہن سے ہے۔ سب وابستہ نطق سخن سے ہے۔

اب سمجھیے کہ سخن از روے مثال کیا ہے۔ چشمہ ہے ندی ہے سیل ہے؟ دریا ہے؟ کیسی روانی اور کس زور کا پانی اس کا چڑھاؤ اس کی رفتار اس پر کس کا زور اور کس کا اختیار جدھر منہ کیا ادھر ایک نالہ بہا دیا۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی

کے ہات ہو؟ بارہا دیکھا ہے کہ آغاز کلام جس کی ہندی میں اٹھاون اور فارسی میں انگیزہ اور عربی میں باعث کہیے کچھ اور ہے۔ پھر وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ کیا طور ہے۔

یہ کتاب کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے، اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ازوے حقیقت ایک نہر ہے کہ بحر سخن سے ادھر کو بہی ہے۔ جب اس نگارش نے انجام پایا تو مجھ کو پیشگاہ سلطنت ابدمدت سے حکم آیا کہ بندہ درگاہ، اسداللہ اس کی تقریظ لکھتے ہیں اظہار حسن اطاعت کرے اور سخن طرازی میں آرایش زبان اردو پر قناعت کرے۔ جیسا کہ حکم بجالانا ضرور، ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشا اس رسالہ کی نگارش کا کیا ہے۔

ان اوراق کے ناظرین پر مخفی و مستور نہ رہے کہ سن اٹھارہ جلوس [1] میمنت مانوس میں، نہ شہر سے بلکہ خارج سے،

---

[1] یعنی ۱۸۵۲ء میں،

یہ آواز بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت۔ فلک رفعت، ثریا بارگاہ، انجم سپاہ بادشاہ ابن بادشاہ خلیفہ روے زمین، ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ، بادشاہ غازی نے ترک مذہب آبائے نامدار کیا اور تشیع کو تسنن پر اختیار کیا۔ باریافتگان بزم قرب و رازدانانِ خلوت انس حیران اور حیرت ان کی بجا۔ اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات کہی ہوتی تو پہلے ان کی آگہی ہوتی۔ اسرار سلطنت کی خبر اور پھر اس میں عام کو تقدم خاص پر نہ پوچھنے کا یارا۔ نہ چپ رہنا گوارا، علماے نامدار مشائخ کبار و فقہاے دیار نے جرات کر کے عرضداشت لکھی، مضمون یہ کہ ایسا جاتا ہے ہے او ربا ور نہیں

آتا ہے۔امیدوار ہیں کہ خداوند تاج وسر پر کے مافی الضمیر پر آگہی پاویں۔حضور نے تحاشی کی اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ ہماری زبان پر نہیں گزرا،بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم قضا توام:

بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبہ امن و اماں کا در کھلا

شہنشاہ،گیتی پناہ،مسند جم نشین،اہل دل ہم نشین،امرائے دستہ دستہ دست بستہ، صفحہ نگار بھی مانند خار سر دیوار باغ و پروانہ پائے چراغ اس چمن میں نشاط اندوز اور اس انجمن میں ادب آموز،زبان مبارک گہر فشاں ہوئی،حقیقت مذہب اہل سنت و جماعت ، بیان ہوئی سو ظن علماء اس مجمع عظیم میں بہ پیرایہ حسن ظن جلوہ گر ہوا۔ خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثبات قدم مسلک تسنن پر باور ہوا۔مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت کے بموجب ارشاد،قالب میں ڈھلے،ناگاہ جانب اجانب سے اس نظم کے جواب میں کچھ وار چلے۔یہ گنہ گار بے گناہ بھی بہ ذم ممدوح ہوا اور خنجر زبان کے زخم سے مجروح ہوا۔الغرض جب وہ تحریر یہاں دیکھی دکھائی گئی تو اسمیں خلفا کی توہین پائی گئی۔ناچار یہ رسالہ جیسا کہ حضرت مولف نے دیباچہ میں لکھا ہے،لکھا گیا اور مجھ کو تقریظ نگاری کے واسطے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے۔کہا گیا۔ میں اگر اس گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو وضع تحریر کا موضوع لہ مجہول رہ جاتا۔ بحث میں زور آزمائی کروں،غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں۔فلک زدہ،خانماں بہ باوداہ ہوں تاب آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایہ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں۔ گویا ایک تھکا ہو مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔

احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ یہ نہیں کہ کسی اور کا گنہ گار ہوں۔ جو مجھ کو اپنا ہم کیش سمجھیں ان سے دعاے مغفرت کا متوقع اور جو مجھ کو اپنا مخالف مذہب گمان کریں ان سے دعاے تخفیف عذاب کا امیدوار ہوں۔ حسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر۔

(۴)

تقریظ بر گلزار سرور

(مولفہ رجب علی بیگ سرور)

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر افروز صنعتیں ہیں، تعالی اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں۔ یہ جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارش پانا ہے۔ ارم کا بین دنیا سے اٹھ کر بہارستان کا باغ بن جاتا ہے۔ وہاں حضرت رضوان ارم کے نخل بندو آبیار ہوئے۔ یہاں میرزا علی صاحب سرور حدائق لعشاق کے صحیفہ نگار ہوئے۔ اس مقام پر یہ ہیچ میرزا جو موسوم بہ اسداللہ خاں اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے، خدا ے جہاں آفرین سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے ہاں، اے صاحبان فہم وادراک، سرور سحر بیاں کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے:

زم کی داستاں گر سنیے
ہے زباں ایک تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجئے
ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعوی تھا کہ انداز بیاں اور شوخی تقریر میں، فسانہ عجائب بے نظیر ہے۔ جس نے میرے دعوے کو اور فسانہ عجائب کی یکتائی کو مٹا دیا یہ وہ تحریر ہے، کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے۔ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہے، مانی نقاش بے معنی تصویریں بنا کر پیمبری کا دعوی کرے، کیا عقل کی کمی ہے۔ یہ بندہ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوائے خدائی نہ کرے۔ کس حوصلے کا آدمی ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالی شان ایشری پرشاد نارائن سنگھ بہادر! جس باغ کی آرایش کے کارفرما ہوں اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ میرزا سرور چمن آرا ہوں۔ وہ باغ کیسا ہوگا؟ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول وسبک سر کیوں ہے بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے؟ صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں؟ رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ ہم اس کی شجاعت کا ذکر کرتے ہیں؟ معہذا جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو پرسد پرشاد نارائن کا مورو عنایت رہا ہوں۔ جن دنوں میں وہ دلی میں تشریف لائے ہیں۔ اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب ناشناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو تو انکا نیازمند کیوں ان کا ثنا خواں نہ ہو؟ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثنا خوانی کا، میں تو عاشق ہوں ان کی

شاعر پروری وسخن دانی کا۔حضور نے قدر دانی کی،سرور نے گوہر افشانی کی،حضور کا اقبال،سرور کا کمال،حضور کی عالی ہمتی،سرور کی خوش قسمتی۔ان شاءاللہ تعالیٰ یہ نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہے گا۔مصنف کا شہرہ رنگین بیانی میں،مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہے گا۔فقط

(۵)

دیباچہ دیوان ذکا

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں،کس امیر کا نہیں،کسی شیخ شیاد کا نہیں،یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرض اصلاح میں بہ نظر دشمن دیکھتا ہے۔پس جب تملق نہیں مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا ہے،

۱؎ مہاراجہ بنارس،جس کے پاس سرور ملازم تھے۔

بے حیف میل کہوں گا۔نثر میں نعمت خاں عالی۱؎ کی طرز کا احیا کیا ہے مگر پیرایہ کچھ اس سے بہتر دیا ہے۔قصائد میں انوری۲؎ چربہ اٹھایا ہے،مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔غزل میں متاخرین کا انداز،عاشقانہ نہ سوز گداز،منشی حبیب اللہ ذکا سخنور ہمہ داں لفظ طراز معنی آفریں،آفریں صد آفریں صد ہزار آفریں۔

(۶)

دیباچہ قصائد

(میرزا کلب حسین خاں)

سبحان اللہ، شاہدِ سخن کمال حسن میں لاثانی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یوسف کنعان معانی ہے۔ کنعان ہو، کنواں ہو، کارواں ہو۔ کوئی جگہ کوئی مقام، کوئی مکان ہو۔ زلف دیسی ہی معتبر عارض بدستور تابدار، لب کی جاں بخشی کا وہی عالم، چشم اسی طرح بیمار، معہذا جو سلطنت مصر کے زمانے کا جمال تصور میں لائے گا، وہ آفتاب تاباں کو حضرت یوسف کا ادنی ذرہ پائے گا لو ہم ابھی قلمروِ سخن لے آئے ہیں۔ حسن پرستانِ سخن کے واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں سنی سنائی نہیں کہتے۔ نہ دیکھ کے آئے ہوتے تو چپ رہتے۔ امید یہ کہ دانش مند آدمی باور کریں۔ نوید کہ دیدہ ور لوگ نظر کریں کہ یوسف سخن کنعان دچاہ و کاروان و بازار و زنداں سے نکل کر تخت فرمانروائی مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ زلیخائے عشق کے گھر عید ہوئی ہے۔ اور یوسفِ حسن کی سرکار میں نوروز ہوا ہے۔

غالب آشفتہ، تو سن اس ورق کے ناظرین جب تک رمز نہ جائیں گے۔ تیری بات کبھی نہ مانیں گے۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالی جناب والا، دودمان میرزا کلب حسین خاں کو کیا اچھی طبیعت بخشی ہے۔ جو انھوں نے ان اوراق کو اپنے

اشعار سے رونق اور اشعار کو نعت ومنقبت سے زینت بخشی ہے۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعہ نظم کو مصر فرض کیا ہے۔ اور شاہد معنی کو یوسف قرار دیا ہے۔ جس کتاب میں ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام کی مدح کے سو قصیدے زینت اوراق ہوں، ان اوراق کے سواد کیوں نہ سرمہ چشم اہل دین اور وہ اوراق کیوں نہ حرز بازوے مومنین آفاق ہوں۔ میں اپنے علو رتبت پر ناز کرتا ہوں کہ ائمہ اطہار کے مداح کا ستایش گر ہوں اور بذریعہ اس ستایش کے غالب پر غالب یعنی اپنے سے بہتر ہوں۔ اس دعوے کا گواہ، اسد اللہ، فقط،

(۷)

دیباچہ رسالہ، تذکیر وتانیث

(مولفہ سید فرزند احمد بلگرامی)

سیدی وسندی، نور بصر ولخت جگر قرۃ العین اسد، مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر دوام دولت بقاے اقبال کی

---

۱ عہدہ عالمگیر شاعر اور نثر نگار ۲ فارسی کا مشہور قصیدہ گو شاعر،

دعا مانگتا ہوں، جن کو مبدء فیاض سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ تذکیر وتانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے۔

کس لطف سے ادا ہوئی ۔ ہر چند اس راہ سے کہ دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں ۔قواعد تذکیر و تانیث کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں ۔لیکن قوت علم و حسن فہم و لطف طبع سے وہ مضبوط ضوابط بہم پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسرے کو کیا خبر، مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں ۔ دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحہ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ منظور نظار اولوالابصار رہے گا۔ جو صاحب اس کا مطالعہ فرمائیں گے ۔نفع بھی پائیں گے اور لطف بھی اٹھائیں گے ۔مولف صاحب، جو کامیاب اپنے ذہن رسا سے ہیں رئیس جلیل القدر عظیم آباد آزاد اور حضرت فلک رفعت مولوی سید صاحب عالم مارہروی کے نواسے ہیں ۔سید واسطی بلگرامی ہیں، جہاں کے سادات علم و فضل میں نامہ اور قدر منزلت میں گرامی ہیں ۔ ان حضرت کا مداح گویا اپنا ثنا خواں ہے جیسا کہ مولوی معنوی رومی علیہ الرحمتہ کا بیان ہے:

ما وحِ خورشید مداح خود است
کہ مرد دو چشم سر نا مر مداست

داد کا طالب، غالب

(۸)

خاتمہ، شعاع مہر

(مرزا حاتم علی بیگ مہر)

اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ ہے کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود، بلکہ اگر بمثیل اسم اعظم فرض کیجئے تو اس کی بھی نمود جب تک اس لطیفہ غیبی کا شمول نہ ہو۔ عالم امکان میں نہیں۔ مسائل حکیمانہ کی ہستی۔ ترہات ندیمانہ کی مستی درود ماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسون کے مقاصد کامدار، شکر و شکایت کا عنوان، نفرین و آفرین کا بیان، اردو قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت، صرف و نحو کی راز دانی، نثر و نظم کی گلفشانی، جو کچھ اگلوں نے کہا ہے۔ جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے، جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے جو کچھ متعلق نیک و بد، نو و کہن سے ہے۔ سب وابستہ نطق سخن ہے۔

اب سمجھیے کہ سخن ارزوے مثل کیا ہے؟ چشمہ ہے؟ ندی ہے؟ سیل ہے؟ دریا ہے؟ کیسی روانی ہے؟ کس زور کا پانی؟ اس کا چڑھاؤ۔ اس کی رفتار، اس پر کس زور، کس کا اختیار؟ جدھر منہ کیا ادھر ایک نالہ بہا دیا۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہات[1] میں ہو، ہاں اہل خرد کو اٹھا لینا چاہیے جو لطف جس بات میں ہو، یہ مثنوی کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحر سخن سے ادھر بہی ہے۔ سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے۔ تقطیع شعر اس کا لباس اور

---

[1] مسائل حکیمانہ سے یہاں تک عبارت وہی ہے جو بہادر شاہ کی کتاب کے لیے لکھی

مضامین اس کا زیور ہے۔ دیدہ روں نے شاہد سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکش ماہ تمام پایا ہے۔ اس رو سے اس مثنوی نے شعاع مہر نام پایا ہے، کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں مہر سے مراد آفتاب ہے۔ یہ شعاع اس مہر کی ہے کہ جو ذرہ خاک راہ بوتراب ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ سخنور روشن ضمیر مہر چہر میرزا حاتم علی مہر کو سخن طراز ی میں ید بیضا ہے اور از روے انصاف، اس طرح سے کہ نہ ادھر سے لاف، نہ ادھر سے گزاف، سچ سچ صاف صاف، یہ مہر اپنے ہم نام مہر سپیر کا ہم چشم اور ہمتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے۔ مہر کے حسن گفتار اور میرے صدق اظہار پر برہان قاطع یہ مثنوی ہے۔ میں فن تاریخ و فن معما سے بیگانہ ہوں۔ صرف حسن خداداد معنی کا دیوانہ ہوں۔ مثنوی کی طرز تحریر دل پذیر ہوئی۔ اس سے یہ تقریظ دل پذیر تحریر ہوئی۔ چاہیے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریظ کو مثنوی سے جدا نہ کرے۔ ہاں گنجائش اس کی ہے کہ کسی زمانہ میں سہو و غفلت سے یہ امر واقع ہو۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ خدا نہ کرے ۱۲

(۹)

دیباچہ دیوان سخن

فخر الدین حسین سخن ابن خواجہ جلال الدین حسین ابن فقیر مودو چشتی۔ یہ

اصلاً لکھاری سندھ کے تھے۔ سخن دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۳ء میں اپنے پھوپھا میر زا محمد صدیق بہادر صدر امین ضلع سارن کے ہمراہ آرہ ضلع شاہ آباد بہار چلے گئے۔ وہاں وکالت کرتے رہے۔ ۱۳۱۸ھ میں کلکتہ میں وفات پائی۔ کچھ مدت کے لیے غالباً منصف بھی ہو گئے تھے۔

نام خدا، سلطان قلمرو سخن، دیوان خاص میں رونق افزا ہوتا ہے۔ اورنگاہ روبرو، پادشاہ سلامت، کاشور ہر طرف بپا ہے، اہل نظر پادشاہ کا حسن و جمال اور بارگاہ کی عز و شان دیکھیں۔ سخنوروں کے ہزاروں دیوان دیکھے ہوں گے۔ اب سخن کا دیوان دیکھیں، زہے شاعر یکتا و نامی کہ جس کا پے ارا نام سخن ہے۔ یعنی ہمہ تن سخن اور کام سخن ہے۔ قرۃ العین خواجہ سید محمد فخر الدین حسین کو اگر سخنور بے عدیل کہوں تو بجا ہے، کیونکہ اس کا حسن کلام میرے دعوے پر دلیل اقوے ہے۔ اس سحر کا رجا دو نگار نے پری زادان معنی کو الفاظ کے شیشوں میں اس طرح اتارا ہے۔ جیسے آبگینہ مے سے رنگ مے نظر آئے۔ لفظ سے جلوہ معنی آشکار رہے۔ میں مغلوب دہر، غالب نام جو بازار ہستی میں متاع کاسد ہوں۔ بہ حسب اصلاح فقہا اس سید زادہ قدسی نہاد کا جد فاسد ہوں۔ چشم بد دور ہنوز آغاز جوانی اور نو بہار باغ زندگانی ہے۔ عمر کے لیے دفتر قضا و قدر میں حکم دوام لکھا گیا ہے۔ پس اگر جودت فکر طبیعت کی روانی ہے۔ اغلب ہے ذوق شعر اور شغل تحریر اشعار چلا جائے گا۔ پھر تو یہ دیوان اوراق افلاک میں نہ سمائے گا۔

(۱۰)

تقریظ جام جہاں نما

جناب، بابو صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت!

نیاز مہر کیشانہ و دعائے۔ درویشانہ قبول فرمائیں۔ ایک دن تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخہ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و تاخیر پر خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت بے اندازہ پائی جام جم جہاں نما ہوگا مگر کیا جائے کیا ہوگا۔ بلکہ اس میں تردد ہے کہ نہ ہوگا، جام جہاں نما یہ کتاب ہے جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح سے قاصر رہا۔ یہ میں نے کیا کہا؟ جس طرح ہر دیدہ ور پڑھ کر خط اٹھا سکتا، نابینا بھی سنکر لطف پا سکتا ہے۔ فیض اس کتاب کا عام ہے۔ جہاں نما اس کا سچا نام ہے۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب، بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں مددگاری ذریعہ افتخار ہے۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں۔ ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا۔ ہمیشہ بیمار ہے۔ آمد رفت دوام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کرے گی اس مشورت میں حاضر رہیگا۔ یہ نہیں کہ نہ جاؤں گا مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کارگزارو فرمانبردار ہوں گا۔ بہرصورت تعجب ہے کہ اسسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد کیوں نہ کیا، بلا کیوں نہ لیا؟ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلا لیں گے۔ اخط

عنایت کا طالب، غالب

(۱۱)

اردوے معلیٰ کا حق طباعت

پیکر بے روح وروان، فقیر اسد اللہ خان غالب تخلص ہیچمداں کہتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جو اردوے معلی تصنیف فقیر اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا۔ سو میں نے ازراہ فرط محبت اپنا حق تالیف نور چشم نشان حکیم غلام رضا خاں کو بخش دیا ہے اور اس حق کو خاص انکا حق کیا۔ اب کوئی اور صاحب اگر مالک اکمل المطابع حکیم غلام رضا خاں کے بے اطلاع اردوے معلی چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ رہیں گے۔ اور فوراً حسب منشا قانون بستم ۱۸۴۷ء سزا پائیں گے۔

مہر نجم الدولہ و بیرالملک اسد اللہ خاں بہادر، نظام جنگ

(۱۲۶۷ھ)

بنام ماسٹر پیارے لال آشوب

(۱۲)

نکات ورقعات غالب

میرزا غالب، پنج آہنگ، میں سے صرف فارسی کے بیان کا اردو ترجمہ کرایا تھا اور اس کے ساتھ اپنے سولہ فارسی رقعات لگا دیے تھے۔ یہ کتاب فروری ۱۸۶۷ء میں پیارے لال صاحب اسسٹنٹ ماسٹر مدرسہ دہلی نے چھپوائی تھی۔ صرف پانسو نسخے چھپے تھے۔ اب کمیاب ہے۔ اس کے آغاز میں میرزا نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی تھی۔

اکہتر برس کا ناتواں آدمی، دنیا میں عزت اور عقبیٰ میں نجات کا طالب، ترک سلجوقی اسد اللہ خاں غالب کہتا ہے:

تیس برس پہلے میں نے اپنی نثریں جمع کیں اور اس کتاب، کا نام پنج آہنگ رکھا۔ چالیس برس کی عمر میں دو رسالہ لکھا ہے۔ اب اکتیس برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ، جس میں فارسی صرف کا بیان ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تا کہ وہ اوراق حضور پر نور قبلہ حاجات خلق اور کعبہ آمال انام، نائب مسیح علیہ السلام، جامع دانش و داد، امرا کے موتی اور علماء کے استاد، جناب معلی القاب میکلوڈ صاحب بہادر فرمانروائے ملک پنجاب، بہ ظاہر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ان کا خطاب اور فی الحقیقت سلطان فلک رخش ہلال رکاب کی نذر کیے جائیں۔ خدا کرے مجھ ترک جاہل کا بیان حضرت کو پسند آئے اور یہ رسالہ انکی زبان مبارک میں، نکات غالب، نام پائے۔ نکتہ نمبر ۱ اردو آگے مرکب تھا عربی، فارسی، ہندی اور ترکی، ان چاروں زبانوں سے اب پانچویں زبان یعنی انگریزی بھی اس میں شامل ہوگئی۔ دیکھو گنجائش اردو کی کہ یہ پانچویں زبان کی کس لطف سے حاوی ہوئی اور یہ زبانیں اس میں کس طرح سما گئی ہیں کہ کوئی زبان اوپری

نہیں معلوم ہوتی۔

(۱۳)

دیباچہ رقعات غالب

یہ وقعات ڈونلڈ میکلوڈ کی فرمایش پر مرتب کیے گئے تھے۔ جو پہلے پنجاب کا فینا کمشنر تھا۔ پھر گورنر بن گیا۔ اسی لیے دیباچے میں اس کا ذکر ہے۔

یہ کتاب جو دو باب کی ہے۔ حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو کہتا بہت خوب ہے۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے۔ ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کی مناسبت سے درج کیا جائے۔ یہ مجموعہ نذر جناب رفعت مآب کی ہے جس سے عزت وتوقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی ہے۔ صاحب والا مناقب عالی شان، علم و اہل علم کے قدر دان، گانہ روزگار، جن کا مطیع ومحکوم، ہونا اہل ہند کو سرماہ عز وافتخار والا پایہ عالی مرتبہ معلی القاب حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر پنجاب۔

پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گو تو صاحبان واردولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا، جو اپنی نذر کے مقبول ہونے کا طالب ہے۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونک وسونسا کا بھتیجا موسوم، بہ اسد

اللہ خاں المتخلص بہ غالب ہے میرے چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بہادر اعلیٰ سے خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا لاڈ ڈالن برا بہادر کے ذریعے سے وزیر اعظم کے پاس پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شاہنشاہ بحر و بر ملکہ معظم و محتشم کے حضور پر نور گزرنا از روے مشاہدہ خطوط آمد، ولایت جو بہ سبیل ڈاک، مجھ کو ولایت سے آئے ہیں۔ گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ کوئینس اپوئٹ گنا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر رتبہ بڑھایا نہ جائے۔ قدیم عزت میں تو فرق نہ آنے پائے۔

اے جہاں آفریں خداے کریم
صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام میکلوڈ جن کا ہے مشہور
یہ ہمیشہ بہ صد نشاط و سرور
عمر و دولت سے شادمان رہیں
اور غالب پہ مہربان رہیں ع

(۱۴)

خاتمہ رقعات غالب

خدا کا شکر بجالاتا ہوں، کہ مجموعہ مختصر تمام ہوا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میرے مربی اور محسن کے پسند آئے۔ تم نے جانا کہ میرے مربی اور محسن کون ہیں؟ وہ جن کی ہدایت کا شکر گزار اور عنایت کا امیدوار ہوں جب نام نامی ان کا دیباچہ کتاب میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب سے دور ہے۔ مگر ہاں خاتمے میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے:

سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

لے Queens poet یعنی ملکہ کا درباری شاعر معلوم ہوتا ہے۔ یہ مجموعہ میکلوڈ نے اس غرض سے مرتب کرایا تھا کہ انگریزوں کے لیے اردو سیکھنے کا ایک اچھا ذریعہ مہیا ہو جائے۔ غالباً یہ چھاپا نہ گیا۔

ضمیمہ

امین الدین احمد خاں

اے میری جان،

کس وقت مجھ سے غزل مانگی کے میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آ گیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو۔ وہ اہل محلّہ سے دریافت کرے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے، فکر کی، بارے نفس ناطقہ نے بری بھلی طرح مدد دی۔ نوشعر پہنچتے ہیں۔ لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ،

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی ، آرمیدہ ہوں
میں دشت غم میں آہوے صیادیدہ ہوں

ہو دردمند جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالہ کشیدہ گہ اشک چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بسکہ تلخی غم ہجراں چشیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے واسطہ
میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانہ فتا وہ ہوں نے دام چیدہ ہوں

جو چاہیے نہیں و مری قدر و منزلت
میں یوسف بہ قیمت اول خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے، مری جگہ
ہوں میں کلام نغز ولے نا شنیدہ ہوں

اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے فرقے میں ، میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد

ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں[1]

۳۔ مارچ ۱۸۶۷ء (ماخوذ از نقوش مکاتیب نمبر)

---

[1] اس زمین میں میرزا غالب کی دو غزلیں نسخہ حمیدہ میں موجود ہیں، لیکن اس خط میں جو نو شعر درج ہیں ان میں سے ایک بھی شعر نسخہ حمیدیہ میں موجود نہیں، ظاہر ہے کہ یہ غزل بعد میں کہی گئی۔ لے کن کب؟ اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ خط کے بعض الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ ۱۸۶۱ء میں کہی گئی۔ لیکن اس زمانے میں میرزا کا عام اسلوب وہ نہ تھا۔ جو ان اشعار میں مسلسل اختیار کیا گیا۔ یہ اسلوب نسخہ حمیدیہ کے اسلوب سے قریب تر ہے۔ فضا اور سہی، گلا ہے تو سہی وغیرہ غزلوں کا انداز جو یقیناً آخری دور میں کہی گئیں۔ (باقی صفحہ ۵۸۰ پر)

غلام نجف خاں

لو صاحب، یہ پندرہ بیتیں ہیں۔ تقسیم اس کی اس طرح رکھنا کہ پہلے ایک سیدھی سطر میں صاحب ایجنٹ کا نام مع اجزائے خطابی بخط نستعلیق لکھا جاوے اور پھر ترچھی پانچ پانچ بیتیں تین بار لکھی جاویں اور آخر کو یہی سطر، جو میں نے اپنے نام کی مع خطاب و تخلص لکھ دی ہے۔ جس طرح کہ ہے اسی طرح لکھ جاوے۔ کاغذ البتہ بڑا ہوگا اور تقسیم اچھی طرح کیا جاوے گا۔ ان دو شعروں اور پندرہ شعر پر تو صورت بہت اچھی ہوگی۔ یہ ایک نمونہ ہے۔ مگر نمونہ اچھا ہے۔ تم کسی شخص سے اس کی نقل کر وا دو اور مکاتب خوشنویس یعنی مرزا عباد اللہ بیگ سے لکھواؤ۔ اب آپ کو جلد تیار کروائیے اور..... آپ کو اب کے ہی ملے گا۔ والسلام.....

شہاب الدین احمد خاں ثاقب

میاں ثاقب صاحب،

کہاں پارسل بناتا پھرو؟ کہاں ڈاک میں بھجواتا پھروں؟ تم اس کتاب کو لوہارو بھیج دو او رجلد بھیج دو۔

نیم روز دوشنبہ ۲۴۔ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ

مطابق ۳۰۔ ستمبر ۱۸۶۱ء

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شیونرائن آرام

بھائی ، میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنو کے ایک پارسل کی رسید آ گئی، دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔

(بقیہ صفحہ ۵۷۹ اس غزل سے مختلف ہے یہ غزل ایک مرتبہ مولانا محمد علی مرحوم نے ہمدرد، میں شائع کی تھی۔ مالک رام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ علائی کی بیاض میں تھی ۔یہ خط ایک قطعہ لکھوانے کی غرض سے حکیم غلام نجف خاں کو لکھا گیا تھا اور قطعہ کا ممدوح:

''معظم الدولہ، امین الملک اختصاص یار خاں فرزند ارجمند بجاں پیوند سلطانی بارنٹ تامس تھیافلس منکلف صاحب بہادر فیروز جنگ''

تھا۔ قطعے کے آخر میں لکھا تھا:

عرضداشت نجم الدولہ بیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب تخلص

جس عباد اللہ بیگ خوشنویس کا ذکر ہے۔ وہ محمد امیر پنجہ کش کا شاگرد رشید تھا۔ ٹامس تھیوفلس مٹکاف ہفریز رکے قتل پر ۱۸۳۵ء میں ریذیڈنٹ یا ایجنٹ مقرر ہوا اور ۸۵۳ ء تک اسی عہدے پر رہا۔ بیرن کا خطاب اسے بڑے بھائی چارلس مٹکاف کی (باقی صفحہ ۵۸۱ پر)

خاطر جمع رکھو، جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سنتا ہوں کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے، مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔

میرزا حاتم علی صاحب مہر اگر آ جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا۔ میرزا تفتہ کو اگر خط لکھو تو میری دعا لکھنا۔

دوشنبہ، ۱۷، جنوری ۱۸۵۹ء

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سید کرامت حسین ہمدانی المتخلص بہ کرامت

از دہلی محلّہ بلی ماراں، مئی ۱۸۵۹ء

جیتے رہو اور خوش رہو ع، اے وقتِ تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

تمہارا خط آج صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں:

لب خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

میرے اس شعر میں اظہار ناکامی کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصرع اول کے آخر میں، ہوں محذوف ہے۔ تشنگی استعارہ ہے آرزوے شوق سے مطلب یہ ہے کہ میں گویا لب خشک ہوں ان لوگوں کا جو آرزوے شوق میں مر گئے ہیں اور میں زیارت کا رہوں آزردہ دل لوگوں کا۔

شب غم مرا تڑپنا وہ جگر میں درد ہونا
کبھی رو کے کے آہ کرنی کبھی آہ کرکے وفا

تمہارا یہ مطلع بہت اچھا ہے اور مجھے پسند ہے۔ دوسرے مصرع کو یوں بنا دو:

کبھی آسماں کو تکنا کبھی آہ کر کے رونا

رو کہ آہ کرنی کے بجائے آسمان کو تکنا زیادہ برمحل ہے

نجات کا طالب، غالب

(بقیہ حاشیہ صفہ ۵۸۰) وفات (۱۶۔ دسمبر ۱۸۴۵ء) پر ملا تھا لہذا یہ قطعہ ٹامس مٹکاف کے بچہ پیدا ہونے پر ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان لکھا گیا اور اسی کی بنا پر رقعے کی تاریخ متعین کی جا سکتی ہے۔ بہ شکریہ آجکل فروری ۱۹۶۵ء ایہ حضرت علامہ اقبال کے استاد پروفیسر آرنلڈ مصنف پریچنگ آو سلام کا بھائی ولیم ڈیلا فیلڈ آرنلڈ ۱۸۵۶ء میں تعلیمات پنجاب کا ڈائریکٹر مقرر ہوا تھا میرزا سے ملاقات کے بعد کلکتہ گیا۔ بیوی بچوں کے ساتھ انگلستان روانہ ہوا راستے میں بیمار ہو گیا۔ جبل طارق پہنچ کر ۹۔ اپریل ۱۸۵۹ء کو وفات پائی۔

محمد حسین خاں

جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخہ کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اسی میں درج کر دیا ہے گویا اب غلط نامہ بیکار محض ہو گیا ہے۔ خاتمہ کی عبارت کیا میرا بیان کیا، میر قمر الدین کا اظہار اب کچھ ضرور نہیں، کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائیگی، یہ مجلد گویا مسودہ ہے اسی کو بھیج دیجئے!

(اواخر ۱۸۶۱ء) غالب ۱۲

صفیر بلگرامی

نور چشم وسرور دل فرزانہ مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب زادمجدہ، اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں، سلام اور اس نسبت خاص سے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں۔ دعا اور اس نسبت اخص سے کہ آپ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں، بندگی،

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علیؓ کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بہ سبیل ایجاز لکھا جاتا ہے۔ دہائی خدا کی مجھے ولایت کے اپیل کی تاب نہیں۔ نہ تم اپیلانٹ بنو، نہ مجھے رسپانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ، ؟ صبح بہار کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور ما کتب فیہ اس کا کیا ہے۔

چہارشنبہ ہفتم ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ نجات کا طالب

(۳۔مئی ۱۸۶۵ء) غالب

حبیب اللہ ذکا

بندہ پرور، پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔ ما کتب فیہ بسبیل نقل یہ..... جگہ چھوڑ دی ہے۔ آج مسودہ عرضداشت کا جو آپ نے مجھ کو بھیجا تھا پیش گاہ آقائے نامدار میں گزارتا اور اپنے نام کے خط کا بھی پیش کرنا مناسب جانا۔ بعد ملاحظہ کے یوں ارشاد ہوا کہ قصیدہ اور عرضداشت کی تفتیش اور تلاش کی جاوے جو دارالانشا میں ملے تو جواب لکھا جاوے، یقین ہے کہ بعد گردآوری کاغذات کے اگر عرضداشت مل گئی، یا قصیدہ نکل آیا تو جواب ملے گا۱۲

اب میں بقول صائب:

إغالبا دیوان اردو کی تصحیح

درما ندہ کار خودم ، حیران اطوار خودم
ہر لحظہ دار دنیستی چو قرعہ رمال ہا

یوں سمجھا ہوا تھا کہ نوافا نے جو علی التواتر یکے بعد دیگرے ارسال ہوئے ہیں۔ متواتر دارالانشاء میں پہنچے اور منشی نے چاک کر کے پھینک دیے ہوں۔ مانا کہ یوں ہی ہوا بشرط التفات مولانا میرا مطلب اس صورت بھی فوت نہیں ہوتا۔ یعنی مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جو نذر اس کی میری معرفت گزری ہے۔ اس کے قبول ہونے کی عزاطلاع میں وہی لکھا جائے جو قصیدہ و عرضداشت کے گزارنے کے بعد لکھا جاتا، مولوی موید الدین صاحب جو حضرت کے مقرب اور اوس حضرت میرے مقرب ہیں۔ یہ کلمہ موجز کہہ سکتے ہیں مگر میں ان سے کہہ سکتا تو آیا نو کاغذ

دفتر سے نکل کر پیش ہوئے یا نہیں۔۱۲

آگے اس سے جس دن دیوان کا پارسل اور خط مولانا کو بھیجا ہے۔ اس کے دوسرے دن ایک پارسل اور ایک خط آپ کو میں نے بھیجا ہے۔ آج تک اس پارسل کی رسید میں نے نہیں پائی۔ سخت مشوش ہوں، اگر وہ پارسل پہنچ گیا ہے تو اسکی رسید لکھیے اور اگر نہیں پہنچا تو وہاں کے ڈاک گھر میں دریافت کیجئے اور میرے خط کا جواب لکھیے۔

نجات کا طالب غالب۱۲

ہاں، خوب یاد آیا، وہ قصیدہ بھی اس کلیات میں مطبوع ہوگیا ہے صفحہ ۳۴۶ سطر ۱۲۔ دفتر سے قصیدے کا کاغذ نہ نکلنے کی صورت میں بھی قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزر سکتا ہے۔

غدر کے متعلق غالب کی تحریر

ایام غدر کے سلسلے میرزا کی یہ تحریر انتخاب غالب میں چھپی تھی جو میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر بعد میں لفٹنٹ گورنر پنجاب کی فرمایش پر مرتب ہوئی تھی اور معلوم ہوا ہے کہ ۱۳۴۵، ۱۹۲۷ میں اسے چھاپ دیا گیا تھا۔

غدر کے دنوں میں، میں نہ شہر سے نکلا، نہ پکڑا گیا۔ نہ میری روبکاری ہوئی، جس مکان میں رہتا تھا وہیں بدستور بیٹھا رہا۔ بلی ماروں کے محلے میں میرا گھر تھا۔ نگاہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کے اس خاص کوچے میں اتر آئے۔ جہاں میں رہتا تھا۔ اس کوچے میں بہ ہمہ جہت پچاس یا ساٹھ آدمی کی بستی ہوگی۔ سب کو گھیر لیا اور ساتھ لے چلے، راہ میں سارجن سارجنٹ

ایہ اس قصیدے کا ذکر ہے جو نواب مختار الملک سر لارجنگ اول کی مدح میں لکھا اور کلیات نظم فارسی اول میں صفحہ ۳۴۲۔۳۴۹ پر چھپا تھا۔ میرزا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ بھیجا گیا اور وہ دفتر انشا میں گم ہوگیا، ڈاک کے ذریعے سے مولوی موجد الدین تک یہ بات پہنچانا چاہتے ہیں کہ اس کی رسید بطریق مرسوم بھیجی جائے۔ قصیدہ دفتر انشاے نہ ملے تو مطبوعہ کلیات فارسی پیش کر کے دکھایا جا سکتا ہے۔

بھی آملا اس نے مجھ سے صاحب سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا: آدھا مسلمان اس نے کہا۔ وہ صاحب! آدھا مسلمان کیسا؟ میں نے کہا: شراب پیتا ہوں، ہیم (خوف) نہیں کھاتا۔''

غرض کہ وہ مجھے کرنل براؤن کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی چوک میں حافظہ

قطب الدین سوداگر حویلی میں اترے ہوے تھے۔ باہر نکل آئے اور میرا صرف نام پوچھا۔ اوروں سے نام بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا۔ نام میرا سن کر فرمایا، کہ اسد اللہ خاں بڑے تعجب کی بات ہے کہ باؤلے پر نہ آئے میں نے کہا، آپ سنیں تو کہوں۔ کہا، ہاں کہو، میں نے کہا تلنگے دروازے سے باہر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے۔ میں کیوں کر آتا؟ اگر کوئی فریب کر کے، کوئی بات بنا کے نکل جاتا، جب، باؤلے کے قریب گولی کی زد میں پہنچتا، پہرے والا مجھے گولی مار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ تلنگے باہر جانے دیتے۔ گورے گولی نہ مارتے۔ میری صورت کو دیکھیے۔ میرا حال معلوم کیجیے۔ بوڑھا ہوں، ہاتھ پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا۔ نہ لڑائی کے لائق، نہ مشورت کے قابل، دعا کرتا سو یہاں بھی دعا کرتا رہا۔

کرنل صاحب ہنسے اور فرمایا، اچھا تم اپنے گھر جاؤ۔ باقی اہل محلّہ سے غرض نہ رکھو۔ میں خدا کا شکر بجھالایا اور کرنل برون صاحب کو دعا دیتا ہوا اپنے گھر آیا۳۔

۱اس کا نام برن تھا جو ۲۱ ستمبر کو دہلی شہر کا فوجی گورنر مقرر ہوا تھا اور اصل واقعہ ۵۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء کا ہے۔ ۲جھنڈا پرچم، شہر، باہر شمال مشرق میں ایک مقام جسے انگریز فلیگ سٹاف کہتے تھے۔ یہیں محاصرہ دہلی کے دوران میں انگریزوں کا مرکز تھا۔ ۳یہ واقعہ مجمل میں بھی لکھا ہے۔

ماسٹر پیارے لال آشوب

جناب بابو صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت ، نیا زمہر کیشانہ و دعائے درویشانہ قبول فرمادیں، ایک دن پہلے تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخہ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و تاخیر پر خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت بے اندازہ پائی، جام جم جہاں نما ہو گا مگر کیا جانئے کیا ہو گا۔ بلکہ اس میں تردد ہے کہ نہ ہو گا یا ہو گا جام جہاں نما یہ کتاب ہے جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا۔ یہ میں نے کیا کہا جس طرح ہر دیدہ ور پڑھ کر خط اٹھا سکتا ہے۔ نابینا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ فیض اس کو اب کا عام ہے۔ جام جہاں نما اسکا سچا نام ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں مددگاری ذریعہ عزو افتخار ہے۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں، ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا۔ ہمیشہ بیمار ہے۔ آمدورفت دوام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کرے گی۔ اس کی مشورت میں حاضر رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ جاؤں گا۔ آنکھوں سے جاؤں گا مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کار گزار فرماں بردار ہوں گا۔ بہ ہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد کیوں نہ کیا۔ بلا کیوں نہ لیا۔ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلا لیں گے۔ فقط

(اگست ۱۸۶۵ء)

عنایت کا طالب، غالب

The End________________ختم شد